اسرار حیات

خلیل جبران

مکتبۂ اردو۔ لاہور

اسرارِ حیات

رجسٹرڈ قائم شدہ ۱۹۳۵ء

بانی

مکتبہ اردو

چوہدری برکت علی مرحوم

اسرارِ حیات

مصنفہ

خلیل جبران

مترجمہ

خلیل صحافی

مکتبہ اردو لاہور

ناشر ... چوہدری محمد اکبر
بار ... دوم
تعداد ... ایک ہزار
مطبع ... شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
کتابت ... محمد سعید کمال
قیمت ... ساڑھے چار روپے

فہرست

طوفان

(۱)

یوسف الفخری کی عمر ۳۰ برس کی تھی جب اُس نے شہر کے ہجوم کو خیرباد کہی اور شمالی لبنان میں قادسیّہ کی وادی کے دامن میں تنہائی کی زندگی لبسر کرنے کے لئے روانہ ہو گیا — !

اردگرد کے دیہاتیوں نے یوسف کی کئی کہانیاں سُنیں، کوئی کہتا:۔

"یہ بڑا رئیس اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے ایک عورت سے محبّت کی جس نے اُسے دھوکا دیا اور اِس لئے اب وہ بھرے میلے کو چھوڑ کر جنگل میں عزلت نشین ہو گیا ہے۔"

دوسرا کہتا —

"یہ شاعر ہے جو شہر کے شور و غوغا سے اکتا کر یہاں آ گیا ہے۔ تاکہ یکسوئی سے اپنے شعروں کو ترتیب دے سکے۔"

بعض بڑے یقین سے یہ کہتے !

"ارے بھائی! یہ تو کوئی درویش معلوم ہوتا ہے جو اپنے روحانی مرحلے طے کرنے کے لئے یہاں آ گیا ہے۔"

اور بعض کا خیال تھا ——

"ارے میاں! مانو نہ مانو لیکن ہم بتائے دیتے ہیں کہ یہ پاگل ہے!"

—— اور میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا، میں جانتا تھا کہ اس کے دل کی گہرائیوں میں ایک راز لہریں لے رہا ہے اس لئے محض قیاس آرائیوں سے بات نہیں بنے گی۔

میں اس عجیب انسان سے ملنے کے لئے بہت مدت تک خواہش کرتا رہا، میں نے کئی جتن کئے کہ اس شخص سے دوستانہ راہ و رسم پیدا کروں تا کہ میں اس کی زندگی کے اوراق کا نزدیک سے مطالعہ کر سکوں —— معلوم تو کروں کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ لیکن میری ساری کوششیں رائگاں گئیں۔

میں اس سے پہلی دفعہ اس وقت ملا جبکہ وہ لبنان میں مقدس دیودار کے نیچے جا رہا تھا۔ میں نے بڑے ملائم الفاظ کے ساتھ سلام کہا۔ لیکن اس نے میرے سلام کے جواب میں صرف سر ہلا دیا اور اپنے راستے پر چلتا گیا۔

دوسری بار میں نے اسے خانقاہ کی دائیں جانب انگوروں کے باغ میں کھڑے دیکھا۔ میں اس کے نزدیک پہنچا، آداب بجا لایا اور کہا:

"گاؤں والے کہتے ہیں کہ یہ خانقاہ چودھویں صدی میں شامیوں نے تعمیر کی تھی۔"

اس نے بے توجہی سے کہا:
"میں نہیں جانتا۔ یہ خانقاہ کس نے تعمیر کی ہے اور نہ ہی مجھے جاننے کی کوئی ضرورت ہے۔" اس کے بعد اُس نے منہ پھیر کر کہا۔ "تم اپنے باپ دادا سے یہ سوال کیوں نہیں کرتے؟ وہ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور یہاں کی تاریخ سے بھی خوب واقف ہوں گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں رہا ــــ میں مایوس ہو کر آگے بڑھ گیا ــــ!

دو برس گزر گئے۔ اور اس عجیب وغریب شخص کی نرالی زندگی کا تصور ہر وقت میرے ذہن میں رہا۔ میرے خوابوں میں بھی اس شخص کا گزر ہوتا رہا ــــ!

---

(۲)

خزاں کے دنوں میں ایک دن میں یوسف الفخری کی خانقاہ کے نزدیک پہاڑیوں اور ٹیلوں پر گشت لگا رہا تھا کہ اچانک جھکڑ چلنے لگا۔ اس تند طوفان کے ساتھ موسلا دھار بارش بھی شروع ہو گئی۔

یہ طوفان مجھے اس طرح اِدھر اُدھر پٹخنے لگا گویا میں ایک کشتی ہوں۔ جس کے بادبان ٹوٹ چکے ہوں۔ میں نے اپنا رُخ یوسف کی خانقاہ کی طرف کیا۔

دل میں سوچا کہ اس کی خلوت گاہ میں داخل ہونے کے لئے طوفان کا بہانہ تو موجود ہے۔ تیز ہوا اور کڑاکے کی بارش سے میرے قدم بڑی مشکل سے اُٹھ رہے تھے۔

جب میں خانقاہ کے دروازے پر پہنچا تو میری حالت بڑی دردناک بن چکی تھی۔ میں نے دستک دی، جس شخص سے ملاقات کی آرزو ایک مدت سے سینے میں دبی ہوئی تھی۔ اُس نے دروازہ کھولا۔

اس کے ہاتھ میں پرندہ تھا جو نزع کی حالت میں تھا، اُس کے سر میں چوٹ آئی تھی اور بازو ٹوٹ چکے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ اس وقت مخل ہوا۔ میں گھر سے دور تھا کہ خوفناک طوفان نے آگھیرا۔"

اس کی سفید پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ کہنے لگا۔

"اس بیابان میں بہت سے غار ہیں جہاں تم پناہ لے سکتے تھے۔"

خیر، اس نے دروازہ بند نہ کیا۔ اور میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس خیال سے کہ وہ لمحہ قریب ہے جس کی آرزو میں میری زندگی کے کروڑوں لمحے رائگاں گئے۔

وہ پرندے کے سر پر آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس زخمی پرندے کو دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو رہی تھی

میں اس کے دو متضاد کردار دیکھ کر حیران رہ گیا۔ مجھے اس شخص میں رحم اور سنگدلی کے دونوں جذبے بیک وقت نظر آئے۔ ہم دونوں کو طویل خاموشی کا احساس ہو چکا تھا۔ میری موجودگی اسے ناگوار معلوم ہو رہی تھی اور میں واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔

شاید اس نے میرا خیال محسوس کر لیا۔ اس نے آسمان کی طرف نگاہ ڈالی۔

"طوفان ایک مصفّا چیز ہے اور وہ کڑوا گوشت نہیں کھایا کرتا۔"

میں نے مزاحی رنگ دیتے ہوئے کہا:

"طوفان کڑوی کسیلی چیزیں کھانے کا عادی نہ ہو لیکن وہ آج تمام چیزوں کو منجمد کر دینے پر تلا ہوا ہے اور اگر میں ایک بار پھر اس کے پنجے میں آ گیا تو یقیناً وہ مجھے نگل جائے گا۔"

اس کا لہجہ کرخت تھا جب اُس نے کہا:

"اگر طوفان تمہیں نگل جاتا تو یہ عزّت افزائی ہوتی جس کے تم اہل نہیں ہو۔"

میں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا:

"بے شک آقا، میں اسی لئے تو طوفان سے بھاگ آیا ہوں کہ کہیں میری عزت افزائی نہ کرے جس کا میں اہل نہیں ہوں۔"

اس نے مسکراہٹ کو دباتے ہوئے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ لکڑی کی نشست کی طرف بڑھا جو الاؤ کے سامنے رکھی تھی۔

اس نے مجھے نشست پر بیٹھنے کی دعوت دی تاکہ میں اپنے تربتر کپڑے خشک کر لوں۔

اس کامیابی پر میری ساری مسرتیں ایک نکتے پر جمع ہو گئیں۔

میں نے شکریہ ادا کیا۔ میں اس نشست پر بیٹھ گیا اور وہ بھی میرے مقابل ترشے ہوئے پتھر کے ایک ٹکڑے پر جا بیٹھا۔

اُس نے مٹی کے مرتبان میں اپنی انگلیوں کے پورے ڈبونے شروع کر دیئے۔ غالباً اس برتن میں خاص قسم کا تیل تھا۔ وہ بار بار پرندے کے سر اور پروں پر تیل ملنے لگا۔ اس نے اوپر نگاہیں اُٹھائے بغیر کہا:

"تیز و تند ہواؤں نے اس بے زبان طائر کو موت اور زندگی کی درمیانی چٹانوں پر پٹخ دیا۔

میں نے اس پرندے سے اپنے آپ کو تشبیہ دیتے ہوئے کہا:

"اور مجھے تیز و تند ہواؤں نے آپ کے دروازے پر پٹخ دیا ہے تاکہ میرا سر اور میرے بازو زخمی نہ ہو جائیں۔"

اُس نے میری طرف متانت سے دیکھ کر کہا:

"میری یہ آرزو ہے کہ انسان بھی پرندے کی سی ذہانت استعمال کرے اور میری یہ بھی خواہش ہے کہ طوفان انسانوں کے بازو توڑ کر رکھ دے۔ کیونکہ انسان خوف اور بزدلی کی طرف رجوع کرتا ہے اور جب وہ طوفان کی

انگڑائی دیکھتا ہے تو وہ غاروں اور سوراخوں میں رینگتا ہوا چھپ جاتا ہے۔"

میرا ارادہ یہ تھا کہ میں کسی طرح اس کی خلوت نشینی کا راز معلوم کر دوں چنانچہ میں نے انگیخت کی۔ ہاں، آقا، آپ نے درست کہا۔ پرندوں میں عزتِ نفس اور جرأت کا جذبہ موجود ہے جس سے انسان محروم ہو چکا ہے — انسان خودساختہ قانون اور رسوم کے سائے میں زندگی تلاش کرتا ہے۔ لیکن پرندے اسی آزاد اور ابدی قانون کے پروانے ہیں جس سے زمین سورج کے گرد اپنے پُرجلال راستے پر گھوم رہی ہے۔"

اس کی آنکھیں چمک اٹھیں، چہرہ تمتمانے لگا۔ گویا اُسے ایک بانجھ مرید ہاتھ آ گیا۔ اُس نے زوردار الفاظ میں کہا:

"بہت اچھا! اگر تم عقیدے کو اپنے الفاظ کے سانچوں میں ڈھال دو تو تمہیں اس تہذیب اور فاسق قانون کو چھوڑ کر پرندوں کی طرح خلا میں زندگی بسر کرنا ہو گی —— ایسے مقام میں جہاں آسمان اور زمین کے قانون کے سوا اور کچھ نہ ہو —— !"

"کسی چیز پر اعتقاد رکھنا اچھی بات ہے۔ لیکن اس اعتقاد کو عملی جامہ پہنانا قوتوں کی صحیح آزمائش ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو لہروں کی دندناہٹ کی طرح باتیں کرتے ہیں لیکن ان کی زندگی دلدل کی طرح پایاب اور جامد و ساکن ہوتی ہے۔"

"بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے سروں کو اتنا بلند کر لیتے ہیں کہ پہاڑوں کی چوٹیاں نیچے رہ جاتی ہیں لیکن اُن کی روحوں کی پیمائش کرو تو تمہیں محسوس ہوگا کہ وہ ابھی تک تاریک غاروں میں رینگ رہے ہیں۔"

وہ کانپتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھا اور پرندے کو کھڑکی کے نزدیک لپٹے ہوئے کپڑے پر رکھ دیا۔

اس نے سوکھی لکڑیوں کو آگ میں جھونکتے ہوئے کہا:

"اپنے جیل اتار کر پیروں کو گرم کر لو، نمی انسان کی صحت کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔ اپنے کپڑے بھی خشک کرو اور اسے اپنا گھر سمجھو۔"

یوسف کی اس مہمان نوازی سے میری اُمیدیں بندھ گئیں۔ میں آگ کے نزدیک کھسک گیا۔ کپڑوں سے بھاپ نکلنے لگی۔ وہ دروازے کے نزدیک کھڑا ہو کر بھورے رنگ کے آسمان کو دیکھنے لگا۔ میرے ذہن نے میری امداد کی اور میں نے اُس کے پس منظر کو ٹٹولا اور بڑی معصومیت سے پوچھا:

"آپ کو یہاں آئے ہوئے بہت مدت گزر چکی ہے؟"

اس نے میری طرف دیکھے بغیر خاموشی سے کہا:

"میں اس وقت یہاں آیا تھا جبکہ زمین کی صورت اور ساخت ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ سمندر کا چہرہ ابھی تاریکی میں لپٹا ہوا تھا اور صرف خدا کی روح

پانیوں پر پرواز کر رہی تھی ــــ"

میں یہ الفاظ سُن کر ششدر رہ گیا۔ میں نے اپنے زخم خوردہ ذہن کو مجتمع کرتے ہوئے اپنے آپ سے کہا:

"یہ شخص کس قدر پُراسرار ہے! اور وہ راستہ کس قدر دشوار ہوگا جو اس کی حقیقتوں کی طرف جا رہا ہے ــــ لیکن میں آہستہ آہستہ تحمّل اور احتیاط سے وار کروں گا یہاں تک کہ اس کی ہم کوئی رابطے میں تبدیل ہو جائے اور اس کی اجنبیت مفاہمت کی صورت اختیار کرے۔"

---

(۳)

ان وادیوں میں رات نے اپنی سیاہ چادر پھیلا دی تھی اور طوفان کرخت آواز میں پکار رہا تھا اور بارش شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ طوفانِ نوح یہی ہے جو ایک بار پھر خدا کی زمین سے زندگی اور انسان کی غلاظتوں کو دھو ڈالنا چاہتا ہے ــــ!

یوں معلوم ہوتا تھا کہ عناصر کا ہیجان یوسف کے دل و دماغ میں طمانیت پیدا کر رہا تھا جس سے عام طور پر مزاج میں ردِ عمل پیدا ہوتا ہے اور خلوت جلوت میں بدل جاتی ہے۔

اس نے دو بتیاں روشن کیں اور شراب کا مرتبان میرے سامنے رکھ دیا، اور ایک طشتری بھی اس نے سامنے رکھی، جس میں روٹی، پنیر، زیتون شہد اور خشک پھل تھے۔

وہ میرے نزدیک بیٹھ گیا اور اُس نے کہا:

"کھانے کے لئے تھوڑی سی چیزیں ہیں، لیکن خیر، کھائیے ---!"

ایک معنی خیز سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہم ہوا کی چیخ و پکار اور بارش کی گریہ و زاری کو سُن رہے تھے۔ میں اس وقت اس کے چہرے کو غور سے دیکھ کر اس کے دل کی گہرائیاں ناپنے میں بھی مصروف تھا۔

میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر اس نے اس قسم کی راہبانہ زندگی اختیار کیوں کی ہے؟

کھانا ختم ہوا۔ اس کے بعد اس نے چولھے پر سے کیتلی اٹھائی اور دو پیالوں میں خالص قہوہ انڈیلا۔ پھر اُس نے ایک ڈبے کا ڈھکنا اُٹھایا اور مجھے "بھائی" کہہ کر سگریٹ پیش کیا۔ میں حیران تھا کہ راہب کی جھونپڑی میں میں کیا دیکھ رہا ہوں۔

اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا پھر قہوے کا ایک گھونٹ پی کر مسکرایا:

"بے شک تم یہ سوچ رہے ہو کہ یہاں سگریٹ، شراب اور قہوہ کیونکر پہنچ گیا

اور یہاں اعلیٰ خوراک کیسے میسّر آگئی۔ تمہارا تجسّس صحیح ہے۔ تم ان لوگوں میں سے ایک ہو جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کو تیاگ دینے کے بعد انسان زندگی سے بیکار ہو جاتا ہے اور فرحت ناکیوں کو بھی خیر باد کہہ دیتا ہے۔"

میں نے کہا: "یہ تو صحیح بات ہے!"

اس نے کہا۔" ہاں دانشمندوں کا قول ہے کہ جو خدا کی معرفت کے حصول کیلئے "تارک الدنیا ہوتا ہے وہ ساری عشرت انگیزیاں پیچھے چھوڑ آتا ہے۔ اور قدرتی چیزوں پر مطمئن ہو جاتا ہے بلکہ صرف جنگل کی بوٹیاں کھا کر زندہ رہتا ہے۔"

ایک وقفہ گہری سوچ کا ——

"میں خدا کا عرفان دنیا کے شور و غوغا میں بھی حاصل کر سکتا تھا۔ اس کے لئے عزلت و خلوت کی حاجت نہیں، میں نے اس کی دنیا کو اس لئے ترک نہیں کیا کہ میں خدا کو دیکھ سکوں، خدا کو تو میں اس وقت دیکھ چکا تھا جبکہ میں اپنے ماں باپ کے گھر میں رہتا تھا۔

میں دنیا سے بھاگ کر اس لئے آیا ہوں کیونکہ میری اور لوگوں کی طبیعتوں میں ہمیشہ تصادم ہوتا رہتا تھا، میرے خواب اُن کے خواب نہیں تھے۔

میں نے انسان کو اس لئے چھوڑا ہے کہ میری روح کا پہیہ ایک طرف چکر کاٹ رہا تھا اور مخالف سمت سے آنے والی روحوں کو کچلتا جا رہا تھا۔

میں نے اس مہذب زمانے کو اسلئے ترک کیا کیونکہ میں نے دیکھا کہ یہ

تو اس شجرِ خبیثہ کے مانند ہے جو مضبوط لیکن خطرناک ہے۔ اس کی جڑیں زمین کی تاریکیوں میں دھنس چکی ہیں۔ اور جس کی شاخیں بادلوں سے بھی پرے پھاند گئی ہیں۔

لیکن اس پر جو پھول آتے ہیں وہ ہیں طمع، برائی اور جرم ——!

اور اس کے پھل دکھ درد اور خوف کے سوا .... اور کچھ نہیں۔

مجاہدوں نے بڑے جتن کئے کہ کسی طرح اس دھرتی میں نیکی سمو دی جائے لیکن وہ ناکام ہی رہے۔

وہ مایوس، شکست خوردہ اور پامال ہو کر اس دھرتی میں پیوند ہو گئے۔"

یوسف ذرا انگیٹھی کی طرف جھک کر ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا گویا وہ اپنے الفاظ کے تاثرات میرے دل پر منقش کرنے کے لئے منتظر تھا۔

میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس وقت باتیں سنتا رہوں۔ میں خاموش ہی رہا۔

اُس نے اپنی بات جاری رکھی :

"نہیں —— ہرگز نہیں، میں نے اس لئے علیحدگی اختیار نہیں کی کہ میں خدا کی عبادت کر سکوں۔ اور نہ ہی میں راہبانہ زندگی بسر کرنے پر تلا ہوا ہوں۔

دعا —— دعا تو دل کا گیت ہوتا ہے جو ہجوم کے شور و غوغا کے باوجود آسمانوں تک جا پہنچتا ہے۔

تنہائی کی زندگی بسر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور روح کو آزار پہنچایا جائے اور رجحانات کو مردہ کر دیا جائے۔

اور مجھے ایسی زندگی سے نفرت ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ خدا نے جسم کو روح کا مندر بنایا ہے۔ اور ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس امانت کو قائم رکھیں جو ہمیں خدا نے سونپی ہے۔

"نہیں —— میرے بھائی! میں نے مذہب کی خاطر گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔

میں لوگوں اور اُن کے بنائے ہوئے قوانین سے بھاگ کر آیا ہوں،

ان کی تعلیمات، ان کی روایات، ان کے تخیلات، ان کے شور و شغب اور اُن کی داد فریاد سے مُنہ موڑ کر آیا ہوں۔

میں تنہائی کا اس لئے متلاشی ہوا ہوں کہ اُن لوگوں کے چہرے نہ دیکھ سکوں جو اپنے آپ کو فروخت کرتے ہیں۔ اور اسی قیمت پر وہ چیزیں خریدتے ہیں جو روحانی اور مادی طور پر بہت پسند ہیں۔

مَیں اِس لئے عزلت کا طالب ہؤا کہ ان خواتین سے نہ ملوں جو بڑی تمکنت سے خراماں چلتی ہیں۔ ان کے چہروں پر لاکھوں مسکراہٹیں کھیل رہی ہوتی ہیں لیکن ان کے دلوں کی گہرائیوں میں صرف ایک ہی مقصد پنہاں ہوتا ہے۔

میں نے گوشہ نشینی اس لئے اختیار کی تاکہ میں اُن خود ساختہ مطمئن افراد سے روپوش رہوں۔ جو اپنے خوابوں میں علم کا ایک پیکر خیال دیکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اپنا نصب العین پا لیا ہے۔

میں نے معاشرہ سے اس لئے کنارہ کشی کی تاکہ ان لوگوں سے دُور ہو جاؤں جو بیداری میں صداقت کے واہمہ کو دیکھتے ہیں اور دنیا کو چیخ چیخ کر یہ سناتے ہیں کہ اُنھوں نے سچائی کی روح کو پا لیا ہے۔

میں نے دنیا اس لئے تیاگ دی کیونکہ میں ان لاکھوں انسانوں سے تلطف اور نرمی سے پیش آتے آتے بیزار ہو گیا جو انکساری کو کمزوری رحم کو بزدلی اور امارت پرستی کو قوت خیال کرتے ہیں۔

میں اس لئے تنہائی پسند ہو گیا۔ کیونکہ میری روح اب ان لوگوں سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ جو بڑے خلوص کے ساتھ اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ سورج، چاند ستارے انہی کی تجوریوں سے طلوع ہوتے اور صرف انہی کے باغات میں جا کر غروب ہو جاتے ہیں۔

میں نے عہدوں کے بھوکوں سے اس لئے راہ فرار اختیار کی کیونکہ وہ عوام کی آنکھوں میں سنہری دھول ڈال کر اور ان کے کانوں میں بے معنی آوازیں ٹھونس کر اُن کی حیاتِ ارضی کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں۔

مَیں نے ان واعظوں کو خیر باد کہی جو اپنے وعظ کے مطابق زندگی

بسر نہیں کرتے اور لوگوں کو اس عمل کی تلقین کرتے ہیں۔ جو وہ خود نہیں کرتے۔

میں اس لئے اُن سے الگ ہو گیا کیونکہ آج تک کسی انسان نے مجھے رحم و کرم کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ جب تک کہ میں نے اپنے دل کے ٹکڑے کاٹ کر پوری قیمت ادا نہیں کر دی۔

میں اس لئے راہبانہ زندگی پر مجبور ہو گیا۔ کیونکہ میں اس خوفناک اور عظیم ادارے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا جسے یہ لوگ تہذیب کہتے ہیں۔ —— ایک متناسب انسانیت سوز مجسّمہ جو کہ انسان کی دائمی بدبختی کی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے!

میں اس لئے اس دنیا میں آ گیا کیونکہ یہاں روح —— دل —— اور جسم کے لئے پوری زندگی موجود ہے، میں نے یہاں لامتناہی مرغزار دیکھے ہیں جہاں آفتاب کی کرنیں پناہ لیتی اور جہاں پھولوں کی بو وسیع فضا میں سانس لیتی ہے اور جہاں ندیاں گاتی اور ناچتی ہوئی سمندر کی طرف جاتی ہیں۔ میں نے یہاں پہاڑ دیکھے جن کے سینوں میں تازہ بہاریں جاگتی ہیں گرما کی رنگین آرزوئیں انگڑائی لیتی ہیں۔ بت جھڑ کے موسم کے سنہری گیت فضا میں تھرتھراتے ہیں اور خزاں کے حسین راز سموئے جاتے ہیں۔ میں خدا کی سلطنت کے اس دور دراز گوشے میں اس لئے آیا تاکہ کائنات کے بھید کے تجسّس کی پیاس بجھاؤں اور خدا کی جلوہ گاہ کے نزدیک جگہ پاؤں —— !"

یوسف نے ایک گہری سانس لی گویا ایک بھاری بوجھ اس کے سر سے اتر گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سحر انگیز چمک پیدا ہوئی۔ اس کے چہرے پر فخر، ارادے اور اطمینان کے آثار پیدا ہوئے۔

چند لمحے یونہی گزر گئے۔

میں اس کی طرف جمعیت خاطر سے دیکھ رہا تھا۔ مجھ پر وہ اسرار بے نقاب ہو گئے جواب تک مجھ سے پوشیدہ تھے، میں نے عرض کی۔

"آپ نے جو کچھ کہا وہ قریب قریب صحیح ہے۔ ہماری معاشرتی بیماریوں کی آپ کی تشخیص سے معلوم ہوتا ہے" کہ آپ بہترین طبیب بھی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بیمار معاشرہ کو آپ ایسے طبیب کی بے حد ضرورت ہے —— جو اسے زندہ رکھے یا موت کی نیند سلا دے۔ یہ زخم خوردہ دنیا آپ کی توجہ کی محتاج ہے کیا انصاف اسی چیز کا نام ہے کہ آپ بیمار کو چھوڑ کر یہاں بھاگ آئے ہیں؟ حالانکہ آپ کی موجودگی سے بیمار بچ سکتا تھا۔"

اس نے میری طرف فکر مند انداز میں دیکھا اور پھر بے پرواہی سے کہا:

"اس دنیا کے آغاز ہی سے اطبا انسانوں کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، بعض نے نشتر استعمال کئے بعض نے مرکبات سے کام لیا لیکن یہ وبا پھیلتی ہی گئی۔

میری یہ خواہش ہے کہ بیمار اپنے غلیظ بستر پر پرانے زخموں کو لئے

بے حس و حرکت لیٹا رہے۔

لیکن ایسا نہیں —— بیمار اپنی چادر کے نیچے سے منہ باہر نکالتا ہے اور جو اس کے نزدیک جاتا ہے اس کی گردن دبوچ لیتا ہے اور وہیں ہلاک کر دیتا ہے ——!

یہ بھی کیا ستم ظریفی ہے کہ مریض طبیب کو ہلاک کر دیتا ہے اور پھر اپنی آنکھیں بند کر کے کہتا ہے —— "آہ وہ کیا اچھا طبیب تھا!"

نہیں! —— بھائی نہیں! اس دنیا میں کوئی شخص بھی انسان کا علاج نہیں کر سکتا۔"

بیج ڈالنے والا کتنا ہی عقلمند کیوں نہ ہو لیکن خزاں میں وہ کھیت ہرا بھرا نہیں کر سکتا۔"

میں نے استدلال کیا۔

"لوگوں کی خزاں گزر جائے گی اور حسین بہار اتراتی ہوئی آئے گی اور یقیناً کھیتوں میں چاروں طرف پھول ہی پھول نظر آئیں گے۔ اور ندیاں ایک بار پھر وادیوں میں اُچھلیں گی —— "

اس کے ماتھے پر تیوری پڑ گئی اور اُس نے زہر آلود لہجے میں کہا:

"آہ! کیا خدا نے انسان کی زندگی ایام کے موسموں کی طرح تقسیم کر رکھی ہے؟ اِنسان تو آفرینشِ کل ہے

کیا انسانوں کا کوئی گروہ جو اس وقت اپنے خالق کی صداقت اور روح میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس زمین پر دوبارہ آباد ہونے کی خواہش کر گیا؟

کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا جب انسان زندگی کے دائیں بازو پر بسیرا کرے گا؟ اور دن کی طرب ناک روشنی میں مسرت کا اظہار کرے گا اور رات کی پر امن خاموشی میں مطمئن ہو گا۔

کیا یہ خواب کبھی حقیقت بن سکتا ہے؟

کیا یہ خواب اس وقت پورا ہو گا جبکہ یہ کرۂ ارضی انسانی لاشوں سے بھر پور اور اس کے خون سے سیراب ہو جائے گا؟"۔

اس کے بعد یوسف کھڑا ہو گیا اور اس نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا گویا وہ کسی اور دنیا کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

وہ کہتا رہا۔

"انسان کا یہ خواب بالکل رائیگاں جائے گا۔ لیکن میں اپنی ذات کے لئے تکمیل تلاش کر رہا ہوں اور جو کچھ میں نے یہاں ڈھونڈا ہے وہ میرے دل کے ہر گوشے —— وادیوں کے ہر کونے اور پہاڑوں کے سینے میں چھا چکا ہے"، اس وقت اس کی آواز بلند ہو چکی تھی

"میں جس چیز کو حقیقت سمجھتا ہوں وہ میرے دل کی پکار ہے۔

میں یہاں زندگی بسر کر رہا ہوں اور میرے دل کی گہرائیوں میں پیاس
اور بھوک موجود ہے میں یہاں اپنی زندگی کی روٹی اور شراب سے متمتع ہو کر
مسرت سے بغلگیر ہوتا ہوں، میں ان برتنوں میں کھاتا پیتا ہوں جنہیں میرے
ہاتھوں نے اپنے سانچوں میں ڈھالا

اسی میں لوگوں کا خوانِ یغما چھوڑ کر یہاں چلا آیا ہوں۔

اور میں یہاں آخر تک رہوں گا،،

وہ وفورِ جذبہ سے اپنے کمرے میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔

اور میں اس کے اقوال پر غور کر رہا تھا اور معاشرہ کے گہرے گھاؤ میری
آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے،

میں نے ایک بار پھر ہوشیاری سے تنقید کی۔

”میں آپ کے مشوروں اور ارادوں کا بے اندازہ احترام کرتا ہوں —
میں آپ کی گوشہ نشینی اور تنہائی کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ لیکن
میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے اخراج سے قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔
قوم کو ایک ایسے فہیم طبیب کی ضرورت ہے جو اسے مشکلات کی گھاٹیوں میں
سے نکال کر اس کی روح کو بیدار کر دے۔،،

اس نے آہستہ سے اپنا سر ہلایا اور کہا:

”یہ قوم دوسری قوموں کی طرح ایک قوم ہے اور یہ قومیں ایک ہی خمیر سے بنائی

گئی ہیں۔ ان میں سوائے ظواہر کے اور کوئی فرق نہیں ہوتا اور بیرونی فرق

زیادہ اہم نہیں ہو سکتا۔

مشرقی اقوام کی بدحالی ساری دنیا کی بدحالی ہوگی۔

اور جسے تم تہذیب کہتے ہو مغرب میں تو اسے ایک المیہ فریب کا ایک

بھوت تصور کیا جاتا ہے۔

ریاکاری بہرصورت پائندہ ہے اُس کے ناخن رنگین اور چمکیلے ہی

کیوں نہ ہوں،

فریب انگیزی میں کبھی ردوبدل نہیں ہو سکتا خواہ اس کا لمس کتنا ہی

نرم و گداز کیوں نہ ہو

جھوٹ کو کبھی سچ نہیں کہا جا سکتا خواہ اُسے حریری لبادوں ہی میں کیوں

نہ لپیٹ دیا جائے یا محلات میں جاکر بٹھا دیا جائے

طمع کو قناعت اور گناہ کو نیکی نہیں کہہ سکتے —

قدیم تعلیمات، رسوم وقیود اور تاریخ کی جاوداں غلامی ہمیشہ غلامی رہے گی

خواہ وہ اپنے چہرے کو غازہ اور گلگونہ سے کیوں نہ ڈھانپ لے،

غلامی اپنی ہولناک صورت میں غلامی ہی رہے گی خواہ اس کا نام آزادی

ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے،

نہیں — میرے بھائی — مغرب مشرق سے بلند نہیں اور نہ

ہی مغرب مشرق سے پست ہے اور دونوں میں جو فرق ہے وہ شیر اور شیر ببر کے فرق سے زیادہ نہیں،

میں نے اس معاشرہ کے بیرونی پردے کے پیچھے ایک مکمل اور صائب قانون ڈھونڈا ہے جس کی رو سے بدبختی اور خوش حالی علم اور جہالت کا درجہ ایک ہی ہے۔ اس سے ایک قوم دوسری پر فوقیت حاصل نہیں کرتی اور نہ ہی اس سے ایک قوم اپنے خزانے بھرپور کرنے کے لئے دوسری کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتی ہے۔"

میں نے چونک کر کہا:

"تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ تہذیب محض نمود ہی ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی محض نمود ہے۔"

اس نے سرعت سے جواب دیا:

"ہاں، تہذیب محض نمود ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی محض نمود ہے، یہ ایجادیں اور دریافتیں محض تفریح ہیں اور تھکے ہوئے جسم کو آرام دینے کا ایک ذریعہ ہے،

دور دراز ملکوں کی فتوحات اور سمندر پر قابو پا لینا ایک سراب ہے اس سے روح کو اطمینان نہیں ہو سکتا، نہ دل کو طمانیت حاصل ہوتی ہے نہ ہی روح کو سربلند کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ سب کچھ فطرت کی منشا کے خلاف ہے

اور یہ ڈھانچے اور نظریے جن کو انسان علم کہتا ہے ۔ طلائی بیڑیوں اور زنجیروں کے سوا کچھ نہیں جن کو انسان کھینچتا چلا جا رہا ہے

اور وہ ان کی چمک دمک دیکھ کر اور جھنکاریں سن کر مسرور ہو جاتا ہے وہ ایسے پنجرے ہیں جن کی سلاخیں انسان کئی صدیوں سے ڈھالتا جا رہا ہے

اور وہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ وہ اندر کی طرف کھڑا ہو کر یہ سلاخیں بنا رہا ہے اور وہ بہت جلد اپنے آپ کو مقید کرے گا — اور ابد تک ہی قفس میں رہ جائے گا ۔

ہاں انسان کے افعال کتنے نمائشی ہیں اس کے مقاصد کتنے نمائشی ہیں اور اس دنیا پر نمائش کے سوا اور ہے ہی کیا ؟" وہ ایک لمحہ کے لئے رک گیا پھر آہستہ سے کہنے لگا ۔

" زندگی کی اس نمود و نمائش میں صرف ایک شے ہے جسے در رخ محبت کرنی ہے — صرف ایک چیز تابدار ہے —"

میں نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا

" وہ کیا شے ہے ؟"

ایک طویل وقفہ تک اس نے میری طرف دیکھا اور پھر آنکھیں موندیں اس نے اپنے ہاتھ چھاتی پر رکھ لئے اور اس کا چہرہ تمتما اُٹھا ۔

اس نے بڑی شفاف اور پرخلوص آواز میں کہا:

"یہ چیز روح کی بیداری دل کی گہرائیوں سے پیدا ہوتی ہے!

یہ ایک غلبہ کن اور سطوت انگیز قوت ہے جو انسان کے ادراک پر طاری ہوتی ہے اور اس کی آنکھیں کھول دیتی ہے

وہ زندگی کو درخشاں نغموں کی پھواروں کے درمیان کھڑا دیکھتا ہے جس کے اردگرد روشنی ناچ رہی ہوتی ہے اور انسان زمین اور آسمان کے درمیان حسن کا مینار بن کر کھڑا نظر آتا ہے

یہ ایک ایسا شعلہ ہے جو روح میں برپا ہو جاتا ہے اور دل کو پاک کر دیتا ہے یہ سطح زمین سے اٹھ کر آسمان کی طرف لپکتا ہے اور جو بھی اس کے خلاف کھڑا ہو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور جو اس معنیٰ عظیم کو سمجھنے سے انکار کرتے ہیں ان کے خلاف وہ بغاوت کرتا ہے

یہ وہی دستِ غیب ہے جس نے میری آنکھوں سے اس وقت پردہ اٹھایا جبکہ میں اس معاشرہ میں اپنے کینے دوستوں اور ہم وطنوں کے درمیان گھوم رہا تھا —

بار بار اس بات پر حیران ہوا کہ یہ کائنات کیا شے ہے میں ان لوگوں سے مختلف کیوں ہوں جو میری طرف دیکھ رہے ہیں؟ میں انہیں کیونکر جانتا

ہوں؟ میں ان سے کہاں ملا تھا؟ میں ان میں کیوں زندگی بسر کر رہا ہوں؟ کیا میں ان میں اجنبی ہوں یا وہ اس زمین کے لئے اجنبی ہیں — وہ زمین جسے زندگی نے تعمیر کیا اور جس کی کلید مجھے سونپ دی گئی — !"

وہ اچانک خاموش ہو گیا گویا کوئی پرانی یاد تازہ ہو گئی جو وہ بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے اپنے بازو سامنے پھیلا دیئے اور کہنے لگا۔

"چار برس ہوئے مجھ پر یہ سانحہ گزرا تھا اور میں دنیا چھوڑ کر اپنی زندگی کی حدود کے درمیان یہاں رہنے سہنے لگا — میں نرم و گداز خیالات اور حسین خاموشی میں مسرور زندگی بسر کرنے لگا۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اُس نے تاریکی کی گہرائیوں کی طرف اس دیکھا گویا وہ طوفان سے ہمکلام رہنا چاہتا ہے۔ لیکن اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:۔

"یہ روح کی گہرائیوں کی پیداوار ہے — جو شخص اسے پہچان لیتا ہے وہ الفاظ کے اظہار سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور وہ جو نہیں جانتا وہ حیات کے حسین راز کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

---

(۴)

ایک گھنٹہ گزر گیا اور یوسف اپنے کمرے میں اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔

کبھی وہ بے مقصد کھڑا ہو جاتا اور آسمان کی طرف غور سے دیکھتا

میں خاموشی سے اس شخص کی تنہا زندگی کے غم و مسرت کے سنگم پر غور کر رہا تھا -

رات کے آخری حصے میں وہ میرے پاس آیا اور دیر تک میرے پر نگاہیں جمائے کھڑا رہا گویا وہ اس شخص کے نقوش اپنے ذہن میں ثبت کرنا چاہتا ہے جس کے سامنے اس نے اپنی زندگی کے چھپتے ہوئے راز بے نقاب کر دیئے تھے -

ایک ہیجان کے باعث میرے ذہن پر ایک بوجھ محسوس ہو رہا تھا اور میری آنکھیں کڑ سے لدی ہوئی تھیں اس نے خاموشی سے کہا:

"میں طوفان کے ساتھ ساتھ رات کی تاریکیوں میں باہر جا رہا ہوں تاکہ فطرت کے اظہار کا قرب حاصل کروں میں خزاں کے موسم میں اکثر ایسا کیا کرتا ہوں، یہ رہی شراب اور وہاں رکھا ہے تمباکو ــ رات بھر کے لئے میرے گھر کو اپنا گھر سمجھنا ــ"

اس نے اپنے آپ کو سیاہ لبادے میں لپیٹا اور مسکراتے ہوئے کہا:

"جب تم صبح کے وقت یہاں سے جاؤ تو مہربانی فرما کر دروازے کو کنڈی چڑھا دینا، کہیں انسان یہاں بھی آکر مداخلت نہ شروع کر دیں، میں دن بھر مقدس دیوداروں میں رہوں گا -"

وہ دروازے کی طرف گیا۔ ہاتھ میں ایک لمبا عصا تھا۔ آخر میں اُس نے کہا "اگر پھر کبھی طوفان تمہیں گھیرے اور تم میری کیٹیا کے نزدیک ہو تو یہاں آنے میں تامل نہ کرنا — مجھے توقع ہے کہ تم طوفان سے محبت کرنا سیکھو گے نہ کہ اس سے خوفزدہ ہونا — شب بخیر میرے بھائی — !"

اس نے دروازہ کھولا اور اپنا سر بلند کر کے اندھیرے میں چلا گیا، میں دیکھتا رہا کہ وہ کس جانب جاتا ہے لیکن وہ جلد ہی نظروں سے غائب ہو گیا چند لمحوں تک میں اس کے بھاری قدموں کی چاپ وادی کے پراگندہ پتھروں پر پڑتے ہوئے سنتا رہا۔

---

(۵)

صبح نمودار ہوئی، رات کا گہرا خیال ختم ہو چکا تھا اور ساتھ ہی طوفان کے نابود ہونے سے، آسمان نکھر چکا تھا، پہاڑ اور میدان آفتاب کی کرنوں سے بھرپور ہو چکے تھے، میں شہر کو واپس جا رہا تھا تو میرے دل و دماغ میں ایک بیداری سی محسوس ہو رہی تھی، یوسف الفخری کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ میرے سارے جسم پر رعشہ طاری ہے اور جب مجھے ذرا اطمینان حاصل ہوا تو مجھ پر حسن اور تکمیل کا احساس چھایا ہوا تھا۔

جب میں شہر کے شور و شغب کے نزدیک پہنچا اور میں نے لوگوں کی آوازیں سنیں ان کے افعال دیکھے تو میں نے اپنے آپ سے کہا:

"ہاں، انسان کی زندگی میں روح کی بیداری بڑی لازمی شے ہے اور انسان کی تخلیق کا واحد مقصد ہی یہی ہے، کیا اس تہذیب کا اپنی تمام دردناک صورتوں کے باوجود مقصد آخر روح کی بیداری نہیں ہے؟ اگر یہ ہے تو پھر ہم وجود سے انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ جبکہ وجود ہی اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ شے موعود مطابقت کے لئے موزوں ترین ہے، اس تہذیب کے مقاصد کتنے ہی پاور کیوں نہ ہوں لیکن جاودانی قانون نے اس مقصد کے حصول کے لئے سیڑھی پیش کی ہے جو آزاد عنصر کی طرف لے جاتی ہے۔

اس کے بعد میں نے یوسف کو کبھی نہیں دیکھا۔ کیونکہ اس تہذیب کی بیماریوں کی دیکھ بھال کی جدوجہد میں زندگی نے مجھے اسی سال خزاں میں شمال لبنان کی طرف پھینک دیا اور میں ایک دور دراز علاقے میں رہنے پر مجبور کر دیا گیا جس کے طوفان پالتو قسم کے ہیں اور اس ملک میں راہبانہ قسم کی زندگی بسر کرنا ایک شاندار دیوانگی ہے کیونکہ یہاں کا معاشرہ بھی مریض ہے۔

غلامی

لوگ زندگی کے غلام ہیں اور یہ غلامی ہی ہے جو ان کے دلوں کو رنج وکلفت اور پریشانیوں سے بھرپور کر دیتی ہے اور ان کی راتوں کو آنسوؤں اور درد و کرب سے لبریز کرتی ہے۔!

میری پیدائش کو سات ہزار برس گزر چکے ہیں اور میں اس دن سے دیکھ رہا ہوں کہ زندگی کے غلام بھاری زنجیریں کھینچتے چلے آتے ہیں۔

میں مشرق اور مغرب میں گھوما، زندگی کے اندھیروں اور اجالوں کو بھی دیکھا۔ میں نے تہذیب کے لمبے لمبے جلوس دیکھے جو روشنی سے اندھیرے کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

ہر ایک جلوس جہنم کی آگ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی روح پامال ہو چکی تھی اور وہ غلامی کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔

طاقتور کو زنجیریں پہنا کر مطیع کر لیا جاتا ہے اور وفادار دوزانو ہو کر بتوں کی پرستش میں مصروف ہو جاتا ہے

میں انسان کے تعاقب میں بابل سے قاہرہ تک گیا اور عین دور سے

بغداد تک — اور میں نے ریت پر زنجیروں کے نشان دیکھے،

مَیں نے ملعون زمانوں کی غمناک گونج سنی جو کہ جا وداں مرغزاروں اور وادیوں میں پیدا ہو رہی تھی۔

میں عبادت گاہوں میں منبروں کے نزدیک گیا، مَیں محلات میں داخل ہو کر تخت کے قریب جا گھسا۔

مَیں نے دیکھا کہ مزدور اپنے کاریگر کا، کاریگر اپنے مالک کا، مالک اپنے سپاہی کا اور سپاہی اپنے حاکم اعلیٰ کا، حاکم اپنے بادشاہ کا، بادشاہ اپنے بڑے پجاری کا اور پجاری اپنے بت کا غلام ہے . . . . . . اور بت اس کے سوا اور کیا ہے کہ مٹی کا ڈھیلا ہے۔ جسے شیطان نے تراش اور کھوپڑیوں کے ڈھیر پر کھڑا کر دیا —!

مَیں امیروں کے محلات اور غریبوں کی جھونپڑیوں میں بھی گیا . . . مَیں نے دیکھا کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے غلامی کا دودھ پی رہا ہے . . . بچے کی ابتدا ہی حکم برداری سے ہوتی ہے۔

کنواریوں نے پابندیوں اور اطاعت کے لبادے پہن رکھے ہیں — اور بیویوں کی آنکھوں میں آنسو امڈ آتے ہیں، جب وہ فرمانبرداری اور قانونی تعمیل کے بستروں پر چلی جاتی ہیں۔

میں زمانوں کے ساتھ ساتھ کانگو کے کناروں سے فرات کے ساحل

تک آیا، نیل کے دہانے سے شام کے میدانوں تک سفر کیا، ایتھنز کی پیکار گاہوں سے روما کے کلیساؤں تک، قسطنطنیہ کی تنگ و تاریک گلیوں سے اسکندریہ کے محلات تک . . . . میں نے ہر جگہ غلامی کو حرکت کرتے دیکھا . . . اس کے ساتھ پُر شوکت اور عظیم الشان جہالت کا جلوس تھا۔

میں نے اصنام کے قدموں پر جوانوں اور کنواریوں کو قربان ہوتے بھی دیکھا ہے ان اصنام کو وہ لوگ خدا کہتے تھے . . . اس کے مجسمے کے سامنے شراب اور خوشبوئیں بہاتے تھے اور اسے ملک کہتے تھے اس کے سامنے لوبان جلاتے تھے، اور اسے پیمبر کہتے تھے۔

اس کے سامنے دو زانو ہو کر عبادت کرتے تھے اور اسے قانون کہتے تھے۔ اس کے لیے جنگ کرتے اور اپنی جانیں ہلاک کر دیتے اور اسکو حُبِ وطن کہتے تھے اس کی مرضی اپنی مرضی سمجھتے تھے اور اس کو ظل اللہ کہتے تھے۔ اس کے لئے مکانوں اور اداروں کو مسمار اور تباہ کرتے تھے اور اسے قسمت اور مسرت کے نام سے یاد کرتے تھے اس کے لئے قتل کرتے اور اسے مساوات کہتے تھے۔

اس کے بہت سے نام ہیں لیکن حقیقت ایک ہی ہے اس کی صورتیں بہت سی ہیں لیکن وہ ایک ہی عنصر سے بنائی گئی ہے۔

حقیقت میں وہ ایک ایسا دائمی عارضہ ہے جو ایک نسل سے

دوسری نسل تک جاری ہے۔

—— ٭ ——

میں نے اندھی غلامی بھی دیکھی ہے جو لوگوں کے حال کو ان کے آبا و اجداد کے ماضی سے باندھے ہوئے ہے اور وہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے رسم و رواج کے سامنے سر جھکا دیں تاکہ وہ پرانی روحوں کو نئے اجسام میں داخل کریں۔

میں نے گونگی غلامی بھی دیکھی ہے جو ایک مرد کی زندگی کو ایک ایسی بیوی کے ساتھ جکڑ دیتی ہے جس سے وہ نفرت کرتا ہے اور ایک ایسی بیوی کو ایک ایسے خاوند کے بستر پر لٹا دیتی ہے جس کو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے روحانی طور پر یہ دونوں زندگیاں مردہ ہیں۔

میں نے بہری غلامی بھی دیکھی ہے جو دل کی روح کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیتی ہے جس سے انسان ایک آواز کی صدائے بازگشت بن کر رہ جاتا ہے اور وہ تو ایک جسم کا قابلِ رحم سایہ ہوتا ہے۔

میں نے ایک پایہ غلامی بھی دیکھی ہے جو انسان کی گردن کو ظالم کے اقتدار پر چھوڑ دیتی ہے اور مضبوط جسموں اور کمزور ذہن والے لوگوں کو فرزندانِ حرص و آز کا مطیع بنا دیتی ہے تاکہ وہ اپنے مفاد کے لیے انہیں استعمال کریں۔

میں نے کریہہ المنظر غلامی بھی دیکھی ہے جو معصوم بچوں کو رُوحوں کی طرح آسمانوں سے مصائب خانوں میں اترتی ہیں، جہاں احتیاج، جہالت کے اور ذلت

مایوسی کے دوش بدوش سکونت پذیر ہوتی ہے۔

یہ بچے بدبختوں کی طرح پرورش پاتے ہیں، مجرموں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور حقیر و ذلیل اور بے حقیقت لوگوں کی طرح موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

میں نے لطیف اور پر اسرار غلامی بھی دیکھی ہے جو چیزوں کے نام بدل دیتی ہے وہ مکاری کو ذہانت، تہی مغز کو علم اور کمزوری کو لطافت اور بزدلی کو بے نیازی کہتی ہے۔

میں نے بل کھاتی ہوئی غلامی بھی دیکھی ہے جس سے کمزوروں کی زبانیں خوفزدہ ہو جاتی ہیں اور باطن کی بات زبان سے نہیں نکل سکتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے حال پر غور و خوض کر رہے ہیں لیکن وہ خالی بوروں کی طرح جنہیں بچے بھی موڑ توڑ سکتے ہیں۔

میں نے خمیدہ غلامی بھی دیکھی دیکھی ہے جو ایک قوم کے قوانین اور قواعد دوسری قوم پر ٹھونستی ہے اور ہر روز یہ خمیدگی بڑھتی جاتی ہے۔

میں نے جاودانی غلامی بھی دیکھی ہے جو بادشاہوں کے بیٹوں کے سروں پر تاج پہناتی ہے اور اہلیت کی طرف متعلق دھیان نہیں دیتی۔

میں نے سیاہ غلامی بھی دیکھی ہے جو مجرموں کے بے گناہ فرزندوں کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار بنا دیتی ہے۔

جب میں ان بدکار زمانوں کا تعاقب کرتے کرتے تھک گیا اور سنگسار کئے ہونے لوگوں کے جلوس دیکھ دیکھ کر بیزار ہو گیا۔ میں زندگی کے سایوں کی وادی کی طرف چل دیا جہاں ماضی جرم کے پردے میں چھپنے کی کوشش کرتا ہے اور مستقبل کی روح بہت دیر تک آرام کرتی ہے۔

وہاں میں خون اور آنسوؤں کے دریا کے کنارے کھڑا ہو گیا جو زہریلے سانپ کی طرح رینگ رہا تھا اور گناہگار کے خوابوں کی طرح بل کھاتا جا رہا تھا۔ میں نے غلاموں کی روحوں کی سرگوشیاں سنیں اور خلا میں دیکھتا رہا۔

جب آدھی رات ہوئی اور روحیں پوشیدہ مقامات سے باہر نکل آئیں۔ میں نے ایک مردہ سی روح کو دیکھا جو دوزانو ہو کر چاند کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا — "تمہارا نام کیا ہے؟"

لاش کے اس خوفناک سائے نے کہا۔ "میرا نام آزادی ہے!"

اور میں نے پوچھا۔ "تمہارے بچے کہاں ہیں؟"

اور آزادی کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے، یہ کمزور چیز کہنے لگی: "ایک کو تو پھانسی پر لٹکا دیا گیا ایک پاگل ہو کر مر گیا اور تیسرا ابھی پیدا نہیں ہوا۔"

وہ لنگڑاتی ہوئی آگے نکل گئی . . . . وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ لیکن اپنی آنکھوں کی دھند کے باعث میں اسے دیکھ نہ سکا اور اپنے دل کی چیخوں کی وجہ سے اس کی آواز سنائی نہ دی۔

شیطان

لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سمعان ان کی روحانی اور مذہبی زندگی کا پیشوا ہے کیونکہ وہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے بارے میں اپنی صائب رائے کا اظہار کر سکتا تھا اور پھر جنت، دوزخ اور مقامِ کفارہ کی باتیں تو فرفر سنا دیتا تھا۔

پادری سمعان شمالی لبنان میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں پھرتا اور لوگوں کی روحانی بیماریوں کا علاج کرتا اور بڑی کوشش کرتا کہ بیچارے لوگ کہیں شیطان کے دام میں نہ پھنس جائیں۔

یہ بزرگ پادری شیطان کے خلاف مسلسل پیکار میں مصروف تھا، لوگ اس روحانی پیشوا کا بہت احترام کرتے تھے اور اس کی باتیں اور دعائیں چاندی اور سونے کے سکوں میں بھی خرید لیا کرتے تھے۔

جب فصل پک کر تیار ہو جاتی تو اس بزرگ باپ کا بھی اس میں حصہ ضرور ہوتا تھا

خزاں کی ایک شام تھی۔

پادری سمعان ایک دور افتادہ گاؤں کی طرف بڑھتا ہوا .... وادیوں اور پہاڑوں میں گزر رہا تھا کہ اسے سڑک کے قریب ایک گڑھے میں سے ایک دردناک چیخ سنائی دی۔

اس کے قدم رک گئے، اس نے دیکھا کہ ایک ننگا شخص زمین پر پڑا ہے اس کے گہرے زخموں میں سے خون کے دھارے بہہ رہے ہیں، یہ زخم چھاتی اور سر پر تھے، وہ انتہائی ملتجیانہ انداز میں امداد کے لئے پکارنے لگا،

"مجھے بچالو، میری امداد کرو ــــــ بھائی مجھ پر رحم کرو ــــــ میں مر رہا ہوں!"

پادری سمعان خون سے لتھڑے ہوئے دکھیارے کو دیکھ کر پریشان سا ہو گیا وہ اپنے آپ سے کہنے لگا،

"کیا پتہ کہ یہ شخص ڈاکو ہی ہو . . . . . اس نے راہگیروں کو لوٹنے کی کوشش کی ہوگی اور وہ اسے زخمی کر کے چھوڑ گئے ہوں گے اور اگر یہ شخص مر گیا تو کہیں میں ہی نہ پھنس جاؤں ــــــ"

یہ سوچ کر وہ آگے بڑھ گیا لیکن مجروح نے پکارا ــــــ "مجھے اس طرح چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میں مر رہا ہوں!"

بزرگ پادری پھر سوچ میں پڑ گیا، یہ سوچ کر وہ مستحق شخص کی امداد کرنے سے انکار کر رہا ہے، اس کے ہونٹ کانپنے لگے لیکن وہ پھر اپنے آپ سے کہنے لگا، بھائی ہو سکتا ہے کہ یہ شخص ان دیوانوں میں سے ہو جو عام طور پر جنگل میں پھرتے ہیں، میں کیا کروں؟ مجھے اس کے زخم دیکھ کر خوف سا محسوس ہوتا ہے، اور ــــــ اور روحانی پیشوا کا کام یہ تو نہیں کہ وہ جسمانی زخموں کا بھی علاج کرے!"

اپنے آپ سے یہ بات کہہ کر پادری سمعان پھر آگے بڑھا،

قریب الموت شخص نے ایک ایسا دردناک زخم کیا جس سے چٹان کا سنگین دل بھی پسیج گیا۔ وہ کہنے لگا۔

"میرے نزدیک آجاؤ، میرے نزدیک آؤ ہم بڑے پرانے دوست ہیں ____ میں تمہیں جانتا ہوں تم پادری سمعان ہو ____ بڑے نیک گلہ بان، اور میں نہ تو چور ہوں اور نہ ہی پاگل ____ میرے نزدیک آؤ اور مجھے اس ویرانے میں مرنے کے لئے نہ چھوڑ جاؤ ____ آؤ ____ آؤ ____ میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کون ہوں ____ !"

پادری اس شخص کے نزدیک گیا، جھک کر غور سے دیکھا اور اس نے محسوس کیا کہ اس شخص کے خدوخال کتنے متضاد اور عجیب ہیں۔ ذہانت کے ساتھ عیاری، حسن کے ساتھ بدنمائی، اور بدی کے ساتھ نیکی کے انداز پائے جاتے تھے۔

وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور پوچھنے لگا:

"تم کون ہو؟"

قریب الموت شخص نے بڑی دھیمی آواز میں کہا:

"پادری صاحب! مجھ سے خوف نہ کھاؤ، کیونکہ ہم دونوں بڑے پرانے اور گہرے دوست ہیں ____ مجھے سہارا دو اور کسی قریبی ندی میں لے جاکر اپنے کپڑوں سے میرے زخم دھو ڈالو ____"

پادری نے پھر کہا: "پہلے مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟ میں تمہیں نہیں جانتا، مَیں نے تمہیں آج تک دیکھا ہی نہیں ــــــ"

اس شخص نے کرب انگیز آواز میں کہا:

"تم مجھے جانتے ہو! تم نے مجھے ہزار مرتبہ دیکھا ہے اور میرے متعلق ہر روز باتیں کرتے ہو . . . . میں تمہیں تمہاری زندگی سے بھی زیادہ پیارا ہوں ــــــ"

پادری نے سرزنش کرتے ہوئے کہا:

تم جھوٹے اور فریبی ہو ــــــ قریب الموت شخص کو تو جھوٹ سے نہیں بولنا چاہیئے . . . . . میں نے تمہارا لعنتی چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔ مجھے سچ سچ بتاؤ تم کون ہو ورنہ میں تمہیں یہیں زخموں میں چور مرنے کے لئے چھوڑ جاؤں گا!"

زخمی شخص نے آہستہ سے حرکت کی اس نے پادری کی آنکھوں کو غور سے دیکھا، اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے خاموش گمبھیر اور نتھری آواز میں کہا:

"مَیں شیطان ہوں!"

یہ خوفناک لفظ سنتے ہی پادری سمعان نے ایسی خوفناک چیخ ماری کہ وادی کے سارے کونے چیخ اٹھے، اس نے پھر غور سے دیکھا، اس شخص کا جسم واقعی اس شیطان کی تصویر سے ملتا جلتا ہے جو گاؤں کے گرجے میں لٹکی ہوئی ہے،

لرزہ براندام ہو کر اُس نے کہا:

"خدا نے مجھے تمہاری ملعون صورت دکھا دی ہے اور تم سے نفرت کی ایک اور وجہ پیدا ہو چکی ہے۔ میں تم پر ہمیشہ لعنت بھیجتا تھا اور بھیجتا رہوں گا۔ زخمی بھیڑ کو موت کے گھاٹ اتار دینا بہتر ہے کہ وہ کہیں دوسری بھیڑوں کو بھی بیمار نہ کر دے!"

شیطان نے جواب دیا!

"پادری! جلد بازی سے کام نہ لو اور قیمتی وقت بے معنی باتوں میں ضائع نہ کرو ...... میرے نزدیک آؤ —— میرے زخموں کو صاف کرو —— کبھی میرے جسم سے میری روح الگ نہ ہو جائے ——!"

اور پادری نے طنزیہ انداز میں کہا:

"وہ ہاتھ جو ہر روز خدا کی عبادت کے لئے اٹھتے ہیں، وہ دوزخ کی مٹی کی بنی ہوئی ناپاک اور نجس ہستی کو کس طرح چھوڑ سکتے ہیں ...... زمانے کی زبانیں اور انسانیت کے ہونٹ ایک مدّت سے تم پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ تمہیں مرنا ہو گا —— تم انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہو۔ اور یہ تمہارا فیصلہ شدہ مقصد ہے کہ نیکی کو برباد کیا جائے!"

شیطان کے پہلو میں ٹیس پیدا ہوئی، وہ اپنی کہنی کے بل اٹھ کر کہنے لگا

"تم نہیں جانتے تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ ہی تمہیں اس جرم کا احساس ہے جو تم اپنے خلاف کر رہے ہو! میری طرف دیکھو —— میں تمہیں اپنی کہانی سناتا

ہوں، آج میں اس تنہا وادی میں اکیلا جا رہا تھا کہ فرشتوں کے ایک ٹولے نے مجھ پر حملہ کر کے مجھے زخمی کر دیا، اگر ان میں سے ایک کے ہاتھ میں دودھاری چمکیلی تلوار نہ ہوتی تو میں انہیں مار بھگاتا، اس تلوار کا مقابلہ میرے لیے مشکل تھا۔"

ایک لمحہ کے لئے شیطان خاموش ہو گیا، اس نے اپنے پہلو کے زخم کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دبایا پھر وہ کہنے لگا۔

"یہ مسلح فرشتہ ——— میرا خیال ہے وہ میکائیل تھا ——— تیغ زنی کا بڑا دھنی تھا، اگر میں زمین پر گر کر یہ ظاہر نہ کرتا کہ میں قتل ہو چکا ہوں تو وہ غالباً میرا کام تمام کر کے ہی چھوڑتا۔"

پادری سمعان نے بڑی کامرانی سے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور کہا

"میکائیل پہ ہزار ہزار رحمت ہو کہ اس نے انسانیت کو اس بدذات دشمن سے نجات دلائی۔"

اور شیطان نے احتجاج کرتے ہوئے کہا:

"انسان کے خلاف میری نفرت اس قدر نہیں جتنی کہ تمہیں اپنے خلاف ہے ... تم میکائیل کو پکار رہے ہو جو کبھی تمہاری امداد کو نہیں پہنچا ...... تم میری شکست کے لمحوں میں مجھے مردود کہہ رہے ہو حالانکہ میں ہمیشہ تمہارے اطمینان اور مسرت کا باعث رہا ہوں ...... تم اپنی دعائیں میرے لئے استعمال نہیں کرتے اور مجھ سے ہمدردی کرنے سے گریز کر رہے ہو حالانکہ تم میری ہستی

کے سایہ میں پھولے پھلے ہو ــــــ!

تم نے میری زندگی کو ایک بہانہ بنا لیا ہے اور اپنی کامرانیوں کا ایک زینہ ــــــ اور اپنے اعمال کو حق بجانب قرار دینے کے لئے میرا نام استعمال کیا ہے،

میرا ماضی اس امر کا گواہ ہے کہ تمہیں حال اور مستقبل میں بھی میری ضرورت ہو گی،

کیا تم دولت سمیٹنے میں اپنی خواہشات کی تکمیل کر چکے ہو؟

کیا تم میری عظمت کا خوف دلا کر اپنے پیروؤں سے سونا اور چاندی اکٹھا نہیں کرتے رہے؟

کیا تمہیں اس امر کا احساس نہیں کہ اگر میں مر گیا تو تم بھی بھوکوں مر جاؤ گے؟

اگر آج تم نے مجھے مرنے کے لئے یہاں چھوڑ دیا تو کل کیا کرو گے؟ اگر میرا نہ رہا تو پھر کون سا پیشہ اختیار کرو گے؟ کئی برسوں سے تم ان دیہات میں گھوم رہے ہو اور لوگوں کو تلقین کر رہے ہو کہ وہ میرے جال میں نہ پھنسیں، لوگوں نے تمہاری نصیحت کو اپنے حقیر دیناروں اور زمین کی پیداوار سے خریدا،

کل جب انہیں اس بات کا علم ہو گیا کہ ان کا بدکردار دشمن ختم ہو چکا ہے تو وہ تم سے پھر کیا خریدیں گے؟

میری زندگی کے خاتمے کے ساتھ تمہاری تجارت بھی ختم ہو جائے گی ــــــ کیونکہ لوگ گناہوں سے محفوظ ہو جائیں گے،

تم تو پادری ہو —— کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ شیطان کی زندگی ہی نے مذہب پیدا کیا ہے ؟

یہ خدیم ترین آویزش ہی ایک پراسرار ہاتھ ہے جو عقیدت مندوں کی جیبوں میں سے سونے اور چاندی کے ٹکڑے ٹٹول کر نکال لیتا ہے اور پھر واعظ اور پادری کی تجوریوں میں جمع کرتا جاتا ہے،

تم مجھے کیسے مرنے دو گے جب کہ تمہیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ اس طرح تمہارا دستار، تمہاری عبادت گاہ، تمہارا گھر اور تمہارا روزگار برباد ہو جائے گا؟"

شیطان ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا اور اس کا عجز۔ اب پر تیقن آزادی میں تبدیل ہو چکا تھا، وہ کہنے لگا،

"پادری! تم مغرور تو ہو لیکن ہو جاہل —— میں تمہیں عقیدے کی کہانی سناتا ہوں اور تم ایک ایسی صداقت پا جاؤ گے جس سے یہ ثابت ہو گا کہ میں اور تم ایک ہیں اور میری زندگی تمہارے ضمیر سے وابستہ ہے!

وقت نے جب پہلے پہل کروٹ لی تو انسان نے سورج کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلائے اور پہلی بار اس نے چلا کر کہا:

اس آسمان کے پیچھے عظیم ترین محبوب اور رحم کی نظروں سے دیکھنے والا خدا ہے،"

پھر انسان نے سورج کی طرف پیٹھ پھیر لی اور اپنا سایہ زمین پر دیکھ کر کہا:

اس زمین کی گہرائیوں میں ایک شیطان ہے جو بدی پر فریفتہ ہے"!

پھر انسان اپنے غار کی طرف چل دیا، وہ اپنے آپ سے سرگوشی کرنے لگا

"میں دو جابر طاقتوں کے درمیان کھڑا ہوں۔ ایک تو وہ جہاں میں پناہ لوں گا اور دوسری وہ جس کے خلاف مجھے لڑنا ہوگا۔"

زمانے جلوس بنا کر گزرتے رہے اور انسان ان دو طاقتوں کے درمیان کھڑا رہا، ایک کی تعریف کرتا رہا کیونکہ اس سے وہ اپنے اندر ایک بلندی محسوس کرتا تھا اور دوسری پر وہ لعنت بھیجتا رہا کیونکہ اس سے وہ ڈرتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی رحمت اور لعنت کے معانی سمجھنے کی کوشش نہ کی۔

وہ ان دونوں کے درمیان اس درخت کی طرح تھا جو خزاں اور بہار کے درمیان ہو ——— کبھی پھولتا ہے اور کبھی کانپتا ہے۔

جب تمدن کی پہلی کرن بیدار ہوئی جو انسانی تعقل کا پرتو ہے تو کنبہ کے وجود کا ظہور ہوا پھر قبیلے بن گئے اور استعداد اور رجحانات کے مطابق مزدوری کو تقسیم کر دیا گیا، ایک قبیلہ زمین میں حل چلانے لگا، دوسرا پناہ گاہیں بنانے میں مصروف ہوا کچھ کپڑے بننے لگے اور کچھ خوراک کے شکار میں نکلے رہا لاآخر تقدس کی نمود ہوئی۔ اور یہ مستقبل کا پہلا پرتو تھا جو انسان نے اپنایا اور جس کے لئے اس کو نہ تو احتیاج تھی اور نہ ہی کوئی ضرورت"!

ایک لمحہ کے لئے شیطان رک گیا۔

پھر اس نے قہقہہ لگایا اور خالی خولی وادی لرز گئی اسے اپنے زخم یاد آ گئے اور ٹیس محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ زخموں پر رکھا۔ اس نے ذرا طمانیت حاصل کرنے کے بعد کہا۔

" یہ الوہیت نمودار ہوئی اور اس کے بعد بڑے عجیب وغریب طریقے سے پھیلنے لگی،

سب سے پہلے قبیلے میں ایک شخص تھا جس کا نام تھا دانشمند ——— میں نہیں جانتا کہ یہ لفظ کس طرح پیدا ہوا، وہ ایک ذہین شخص تھا بڑا آرام طلب وہ کھیتوں میں ہل چلانے، پناہ گاہیں بنانے، مویشیوں کو چرانے یا کسی اور قسم کی مشقت سے بہت نفرت کرتا تھا ——— اور ان دنوں جسمانی مشقت کے بغیر خوراک حاصل نہیں ہو سکتی تھی، اس لیئے دانشمند کئی دنوں خالی معدہ ہی زندگی بسر کرتا رہا۔

ایک روز جب قبیلے کے لوگ اپنے سردار کی جھونپڑی کے آس پاس کھڑے دن کے کاروبار کی باتیں کر رہے تھے اور سونے کا وقت بھی قریب آ رہا تھا، تو ایک شخص اچھل کر کہنے لگا،

"دیکھو چاند کی طرف، رات کے دیوتا کو دیکھو، اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے اس کا حسن زائل ہو چکا ہے وہ تو ایک کالے پتھر کی طرح آسمان میں لٹکا ہوا ہے"!

ہجوم نے چاند کو دیکھا، خوف ہراس سے وہ چلانے لگے، چاند بالکل سیاہ

ہوتا جا رہا تھا۔ رات کا دیوتا اپنا سارا حسن کھو بیٹھا تھا اور وادیوں اور پہاڑیوں میں تارکار فرما ہو رہی تھی۔

اس وقت دانشمند آگے بڑھا، اس نے چاند گرہن پہلے بھی دیکھا ہوا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ کیا ہے لیکن اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا، وہ ہجوم کے درمیان کھڑا ہو گیا اور ہیبتناک آواز میں کہنے لگا:

"اپنے گھٹنوں کے بل گر جاؤ اور عبادت کرو، تاریکی کے بدکردار دیوتا اور چاند دیوتا میں لڑائی ہو رہی ہے اگر بدی کا دیوتا جیت گیا تو ہم سب کی تباہی یقینی ہے اور اگر رات کا دیوتا کامران رہا تو پھر ہماری زندگی بحال رہے گی —— اب عبادت میں مصروف ہو جاؤ، اپنے ماتھے زمین پر رگڑو، آنکھیں بند کر لو اور آسمان کی طرف مت دیکھو۔ جس نے بھی ان دو دیوتاؤں کا دنگل دیکھا وہ اندھا ہو جائے گا وہ پاگل ہو جائے گا، اپنی جبینوں کو خاک پر رکھو اور دل و جان سے دعا مانگو کہ رات کا دیوتا جیت جائے کیونکہ بدی کا دیوتا ہمارا ازلی دشمن ہے!"

اس وقت دانشمند باتیں کرتا رہا، من گھڑت قسم کی ہولناک کہانیاں بیان کرنے لگا۔ اس نے ایسے بے سروپا قصے بیان کئے جو انہوں نے پہلے کبھی نہ سنے تھے۔ اس نے فریب دے کر ہجوم کو باتوں میں لگائے رکھا، یہاں تک کہ گرہن ختم ہوا اور چاند میں پھر روشنی نمودار ہوئی۔ دانشمند نے پہلے سے بلند آواز میں کہا:

"اب اٹھو اد یکھورات کا دیوتا —— چاند دیوتا نے اپنے دشمن کو مار گرایا ہے اس نے پھر ستاروں میں اپنا سفر شروع کر دیا ہے، یہ بات یاد رکھو کہ صرف تمہاری دعاؤں ہی سے چاند دیوتا کو فتح حاصل ہوئی ہے، وہ اب بڑا مسرور ہے اور پہلے سے بھی زیادہ تابناک ——!"

ہجوم اپنی جگہ سے اٹھا اور ہر ایک نے چاند پر نگاہ ڈالی جو آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ ان کا خوف اطمینان میں اور ان کی گھبراہٹ مسرّت میں بدل گئی وہ دفورِ مسرّت سے ناچنے لگے، لوہے کی چادروں کو انہوں نے ساز بنایا۔ ان کے گیت ساری وادی میں گونجنے لگے۔

اس رات قبیلے کے سردار نے دانشمند کو اپنے پاس بلایا اور کہا:

"تم نے وہ کارنامہ کر دکھایا ہے جو کسی کے بس کا روگ نہیں تھا —— تم اسرار نہانی سے واقف ہو جن کو کوئی اور شخص نہیں سمجھ سکتا میں اپنے قبیلے کی مرضی کے مطابق تمہیں قوم کا سردار بناتا ہوں، میرے بعد تم ہی سب سے بڑے ہو گے تمہارے قبیلے میں سب سے زیادہ طاقت ور ہوں اور تم سب سے زیادہ عقلمند اور اسرار و رموز سے واقف —— تم دیوتاؤں اور قبیلے کے درمیان رابطہ قائم کرنے والے ہو، تم قبیلے کی خواہشات اور آرزوؤں کی ترجمانی کرو گے اور انہیں تعلیم دو گے کہ دیوتاؤں کی محبت کس طرح حاصل کی جاتی ہے!!

اور دانش مند نے یقین دلایا:

"دیوتا جو کچھ خواب اور الہام میں مجھ سے بیان کرے گا وہ دن کے وقت میں قبیلے تک پہنچا دیا کروں گا، مَیں تمہارے اور اس دیوتا کے درمیان ایک کڑی ہوں۔"

سردار کو یقین ہو گیا اور اس نے دانشمند کو دو گھوڑے، سات بچھڑے ستّر بھیڑیں اور ستّر بھیڑوں کے بچے عطا کئے اور اس نے کہا:

"قبیلہ کے لوگ تمہارے لئے بہت مضبوط مکان بنائیں گے اور ہر فصل کے اختتام پر اپنی فصل کا ایک حصّہ تمہاری نذر کیا کریں گے تاکہ تم باعزّت اور پروقار آقا کی طرح زندگی بسر کرو۔"

دانشمند اپنی جگہ سے اٹھا اور جانے کو تھا کہ سردار نے آواز دی:

"جس کو تم انسانی دیوتا کہہ رہے تھے وہ کون ہے؟ اور یہ دیوتا کون ہے جو چاند دیوتا سے لڑائی کرنے کی جرأت کر سکتا ہے، ہم نے آج تک اس کے متعلق کچھ نہیں سُنا۔"

دانشمند نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

"میرے معزز سردار! یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ انسان کی آفرینش نہیں ہوئی تھی اور تمام دیوتا تاروں کی وسیع وادیوں کے عقب میں بڑے اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے، دیوتاؤں کا دیوتا ان کا جدِ امجد تھا اور وہ ایسی باتیں جانتا تھا جو دوسرے دیوتا نہیں جانتے تھے اور ایسی باتیں کر سکتا تھا، جس سے دوسرے

دیوتا عاجز تھے ازلی قوانین کی حد سے پرے جو بھی رازہائے سربستہ تھے اس نے اپنے سینے میں محفوظ رکھے۔

بارہویں زمانے کے ساتویں باب میں بہتار کی روح مقابلے پر آگئی، بہتا بڑے دیوتا سے نفرت کرتا تھا اس نے سرکشی کی اور کہا:

"تم کائنات کے مختارِ کُل بنے بیٹھے ہو اور اس کے رازہائے سربستہ ہم سے کیوں چھپاتے ہو؟ کیا ہم تمہارے بچے نہیں جو تمہارے وجود اور عقل کے برابر کے حصہ دار ہیں؟"

دیوتاؤں کا دیوتا غضبناک ہو کر کہنے لگا:

"میں یہ عظیم قوت اپنے ہاتھ میں رکھوں گا اور ان رازہائے سربستہ کو کسی قیمت پر بے نقاب نہیں کر سکتا ——— کیونکہ میں ابتدا ہوں اور انتہا بھی ——!"

اور بہتار نے جواب دیا:

"بزرگ دیوتا! اگر تم نے اپنی قوتوں کا مجھے اپنا شریک نہ بنایا تو میں اور میری نسلیں تمہارے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کریں گی۔"

اس وقت دیوتاؤں کا دیوتا اپنے سنگھاسن پر کھڑا ہو گیا جو آسمان کی گہرائیوں میں پیوست تھا، اس نے تلوار نیام سے نکالی اور سورج کو ڈھال بنایا اور ایسی پرہیبت آواز نکالی کہ کائنات کا گوشہ گوشہ لرز گیا۔

"اے باغی روح دنیا کی اس تاریک ترین پستی میں اتر جاؤ جہاں اندھیرے

اور کلفتیں رینگ رہی ہیں اتم ہمیشہ وہاں رہو گے تا آنکہ سورج راکھ میں بن جاتا اور تارے ذرات بن کر فضا ہیں میں بکھر جاتے "۔

اس وقت بہتار کی روح آسمان کی بلندیوں سے پستیوں میں پھینک دی گئی جہاں خبیث روحوں کا مسکن تھا۔

اس وقت اس نے زندگی کے راز کی قسم کھا کر کہا کہ وہ اپنے اباؤ اجداد سے ہمیشہ جنگ کرے گا اور جو روح ان سے تعلق ظاہر کرے گی ان کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے گا۔"

اور سردار نے یہ باتیں سنیں اس کے ماتھے پر تیوری چڑھ گئی اس کا چہرہ زرد ہو گیا، اس نے جرأت مند آواز میں کہا:

"تو اس خبیث دیوتا کا نام بہتار ہے؟"

اور دانشمند نے جواب دیا :۔

"جب وہ رفعتوں پر پرواز کرتا تھا اس وقت اس کا نام یہی تھا، لیکن جب وہ پستیوں میں اترا تو اس نے کئی نام بدلے، بعل زالول، بلیال، زبیل، اہرمن، عزازیل بار، ابد ون اور آخر میں شیطان کا نام بہت مشہور ہوا ——— !"

سردار نے شیطان کا لفظ کئی بار کانپتی ہوئی آواز میں دہرایا، اس کی آواز یوں تھی گویا ہوا کے ساتھ خشک ٹہنیاں کڑک رہی ہوں، وہ کہنے لگا۔

"شیطان انسان سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہے؟"

دانشمند نے فوراً جواب دیا:

وہ انسان سے اس لئے نفرت کرتا ہے کیونکہ انسان اس کے بھائی بہنوں کی اولاد میں سے ہے:"

سردار نے چلا کر کہا:

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان شیطان کا چچا زاد بھائی ہے:"

دانشمند نے ذرا متذبذب لہجے میں کہا:

"ہاں آقا، لیکن وہ انسانوں کا بدترین دشمن ہے جو ان کے دنوں کو رنج و غم سے بھرپور کر دیتا ہے اور ان کی راتیں خوفناک خوابوں سے، وہ ایک ایسی قوت ہے جو طوفانوں کو انسانوں کے نشیمن تک لے آتا ہے اور ان کے کھیتوں پر قحط برساتا ہے اور ان پر اور ان کے مویشیوں پر امراض طاری کرتا ہے، وہ ایک بدی ہے لیکن مہیب طاقت ور دیوتا بھی ہے، وہ بدکردار ہے، جب ہم غم واندوہ میں مبتلا ہو جائیں تو وہ مسرت سے ناچتا ہے جہاں تک میرا علم میرا ساتھ دیتا ہے ہمارے لئے بے حد ضروری ہے کہ ہم بڑے غور سے احتیاط کریں تاکہ وہ اپنی بدیوں کا انبار ہم پر نہ پھینک سکے، اس کے کردار کا غائر مطالعہ بے حد ضروری ہے تاکہ ہمارا پاؤں اس جال میں نہ پڑے جو اس نے ہمارے راستوں پر بچھا رکھا ہے:"

سردار نے اپنا سر اپنے بھاری عصا پر جھکا لیا اور آہستہ سے کہنے لگا:

"اب مجھے اس سرِ نہانی کا علم ہو چکا ہے کہ کس طرح ایک محیر العقول قوت

ہمارے گھروں میں طوفان برپا کرتی ہے۔ جو راز مجھ پر افشا ہوا ہے وہ بھی اپنے قبیلے کے سامنے بیان کروں گا۔ اور دانشمند کو بہت زیادہ عظمت بخشی جائے گی اس کو سربلند کیا جائے گا کیونکہ اُس نے ایک قوی دشمن کا راز بے نقاب کیا ہے اور اُس نے بدی کے راستے کا پتہ دیا ہے تاکہ قبیلہ بھٹک نہ جائے"!

دانشمند اپنے سردار سے اُٹھ کر اپنے خیمہ میں آیا۔ وہ اپنی اس اختراع پر بڑا شاداں و فرحاں تھا۔ وہ مخمور و سرمست سا ہو گیا دانشمند کے سوا سردار اور اس کا قبیلہ پہلی بار رات بھر ڈراؤنے خواب اور خوفناک روحیں دیکھتے رہے!"

شیطان ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ پادری سمعان بڑی حیرت سے شیطان کو دیکھ رہا تھا۔ پادری کے ہونٹوں پر موت کی زرد مسکراہٹ نمودار ہوئی شیطان نے اپنی بات جاری رکھی:

"اس طرح زمین پر الوہیت کا نزول ہوا اور میری ہستی کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ دانشمند پہلا انسان تھا جس نے میرے ظلم کو پیشہ بنایا، دانشمند کی موت کے بعد یہ پیشہ اس کی نسلوں میں پھیل گیا اور ترقی پکڑتا گیا یہاں تک کہ یہ ایک مکمل اور مقدس پیشہ کی صورت اختیار کر گیا —— یہ اُن لوگوں کا پیشہ تھا جن کے اذہان پختہ، روحیں عالی مرتبہ اور دل پاک ہیں اور جن کے تصورات کی دنیا وسیع ہے۔ بابل میں لوگ اس پجاری کے سامنے سات بار سجدہ کرتے تھے جو اپنے

منتروں سے میرا مقابلہ کرتا تھا ـــــ نینوا میں عوام اس شخص کو خدا اور انسان کے
درمیان ایک واسطہ سمجھتے تھے جو یہ کہتا تھا کہ وہ میرے بھیدوں کو پہچانتا ہے۔
تبت میں اس شخص کو سورج اور چاند کا بیٹا کہا جاتا تھا جو میرے ساتھ لڑتا تھا۔
بابلوس، ایفاسوس اور انطاکیہ میں لوگ میرے مدّمقابل کے قدموں پر اپنے بچے
بھینٹ کر دیا کرتے تھے۔

بیت المقدس اور روما میں لوگ اپنی جانیں اِن ہستیوں کے ہاتھ میں دے
دیتے تھے جو مجھ سے نفرت کرتے اور اپنی پوری قوت سے میرا مقابلہ کرتے تھے۔

سورج کی روشنی جس شہر میں بھی پہنچتی تھی وہاں میرا نام تعلیم ربّانی، آرٹ
اور فلسفہ کے دائرے کا محور تصوّر کیا جاتا تھا۔

اگر مَیں نہ آتا تو عبادت گاہیں وجود میں نہ آتیں، بڑے بڑے مینار اور قصر
بھی میری وجہ سے تعمیر کئے گئے۔ مَیں وہ حوصلہ ہوں جو انسان کے ذہن میں ارادہ
پیدا کرتا ہے، میں وہ ذریعہ ہوں جو خیال میں جدّت کی تحریک دلاتا ہے ـــ
میں وہ ہاتھ ہوں جو انسانوں کے ہاتھ کو حرکت دیتا ہے ـــــ میں شیطان ہوں
زندہ و پائندہ ـــــــ! میں وہ شیطان ہوں جس سے انسان اس لئے لڑتا ہے
تاکہ وہ زندہ رہے، اگر وہ میرے خلاف جد و جہد ختم کر دیں تو کاہلی ان کے ذہنوں
روحوں اور دلوں کو مردہ کر دے گی۔

وہ بپھرا ہوا لیکن خاموش طوفان ہوں جو مرد کے دماغ اور عورت کے دل میں

ہنگامہ پیدا کرتا ہے،

اور مجھ سے خوفزدہ ہو کر وہ عبادت گاہوں کا سفر اختیار کرتے ہیں تاکہ مجھ پر تفریں بھیجیں یا وہ خباثت گاہوں میں جا کر میری قوتِ ارادی کے مطیع ہو کر مجھے شادماں کرتے ہیں، وہ راہب جو رات کی خاموشی میں مجھ سے دُور رہنے کے لئے دعا کرتا ہے، اس زنِ بازاری کی طرح ہے جو مجھے اپنی عشرت گاہ میں بلاتی ہے

مَیں شیطان ہوں - ایک جاودانی اور ابدی قوت!

راہب خانوں اور خانقاہوں کا معمار میں ہوں جس نے خوف کی بنیادوں پر ان کو تعمیر کیا، میخانوں اور عشرت گاہوں کو بھی میں نے نفرت اور خواہش کی بنیادوں پر قائم کیا، اگر میں زندہ نہ رہوں تو اس عالم میں خوف اور مسرت کا وجود باقی نہ رہے اور اُن کے نہ ہونے سے اِنسان کے دل سے خواہشات، آرزوئیں اور امیدیں معدوم ہو جائیں، زندگی ایک ڈھونگ اور بے حس چیز بن کر رہ جائے۔ ایک ایسی ستار کے مانند جس کے تار ٹوٹ چکے ہوں ــ میں شیطان ہوں زندہ و پائندہ!

میں فریب، افترا، دغا، حیلہ اور استہزا کے لئے الہام ہوں اور اگر یہ عناصر اس دنیا سے خارج کر دیے جائیں تو انسانی معاشرہ ایک ایسے برباد کھیت کی طرح ہو گا جس میں صرف نیکی کے کانٹے ہی باقی رہ جائیں - میں شیطان ہوں زندہ و پائندہ!

"میں معصیت کا باپ بھی اور ماں بھی، اگر معصیت کا وجود نہ رہے تو پھر گناہ کا مقابلہ کرنے والے بھی باقی نہیں رہیں گے۔ وہ اپنے کنبوں اور ڈھانچوں کے ساتھ ختم ہو جائیں گے"۔

میں ہر بدی کا قلب ہوں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میرے دل کی دھڑکنیں بند ہونے سے انسانی زندگی کی حرکت بھی ختم ہو جائے! کیا تم منشائے کار کو ختم کر کے نتائج کو تسلیم کر لو گے! میں منشائے کار ہوں کیا تم مجھے اس ویرانے میں مرنے کے لئے اکیلا چھوڑ جاؤ گے؟ کیا تم وہ رشتے کاٹ کر رکھ دو گے جو میرے اور تمہارے درمیان ہیں! پادری! مجھے اس بات کا جواب دو!"

اور پادری نے اپنی باہیں پھیلا دیں، سر جھکا لیا اور گہری سوچ میں پڑ گیا اس کا چہرہ سفید ہو گیا۔ اس مصری بت کی طرح جو نیل کے کنارے صدیوں سے کھڑا ہو، شیطان نے اپنی تابناک آنکھوں سے پادری سمعان کو ایک بار پھر دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

"میں درماندہ و بجھت ہوں، میری غلطی تھی کہ میں نے اپنی آخری قوتیں ان باتوں کی وضاحت میں صرف کیں جن کو تم پہلے ہی جانتے تھے، اب تم جو چاہو کرو، تم چاہو تو گھر لے جا کر میرے زخموں پہ مرہم رکھو یا یہیں دم توڑنے کے لئے چھوڑ جاؤ۔"

پادری سمعان کے جسم میں ایک لرزہ پیدا ہوا۔ اس نے سراسیگی کے عالم

میں اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور پھر خادمانہ لہجہ میں کہا،

"مجھ پر اب وہ امور واضح ہو گئے ہیں جو ایک گھنٹہ پیشتر مجھے معلوم نہیں تھے اپنی جہالت کا مجھے اعتراف ہے، مجھے معاف کرو، میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں تمہارا وجود ترغیب پیدا کرتا ہے اور ترغیب ہی ایک ایسا پیمانہ ہے جس سے خدا انسانوں کی روحوں ناپتا ہے۔ یہ ایک ترازو ہے جس سے روحوں کا وزن ہوتا ہے مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اگر تم مر گئے تو ترغیب نابود ہو جائے گی اور اس کے خاتمے سے ایک ایسی مثالی قوت لحد میں اتر جائے گی جو انسانوں کو سربلند اور ہوشیار کرتی ہے؛

تمہیں زندہ رہنا ہو گا کیونکہ اگر تم مر گئے اور لوگوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ تم مر چکے ہو تو دوزخ کا تصور ان کے ذہن سے محو ہو جائے گا۔ وہ عبادت ترک کر دیں گے کیونکہ پھر تو کوئی گناہ نہیں ہو گا ——— تمہاری حیات بے حد ضروری ہے کیونکہ تمہاری زندگی ہی میں انسانیت کی نجات کا راز مضمر ہے، جہاں تک میرا تعلق ہے میں تمہاری نفرت کو انسان کی محبت کے مقابلے پر بھینٹ چڑھا سکتا ہوں۔"

شیطان نے ایک قہقہہ لگایا جس سے زمین پر لرزہ طاری ہوا اور اس نے کہا

"کتنے ذہین انسان ہو تم، پادری! اور تم مذہبی امور پر کتنی گہری دسترس رکھتے ہو، تم نے اپنے علم کی قوت سے کتنی جلد محسوس کر لیا ہے کہ میری ہستی کتنی

لازمی ہے اور اس بات کو تو میں بھی نہیں سمجھ سکا تھا - اور اب ہم ایک دوسرے کو پہچان گئے ہیں -

"میرے بھائی! میرے نزدیک آجاؤ - میدانوں میں تاریکیاں رینگنے لگی ہیں اور اس وادی کی ریت نے میرا نصف خون جذب کر لیا ہے اور اب میرے زخم خوردہ جسم میں کچھ باقی نہیں رہا اور اگر تم نے امداد نہ کی تو یہ شکستہ پیکر موت بڑی بھاری قیمت پر جلد خرید ے گی"

پادری سمعان نے اپنی آستینیں چڑھائیں اور شیطان کے نزدیک جاکر اس کو اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور اپنے گھر کو چلا

ان وادیوں کے درمیان جہاں خاموشیاں اور اندھیرے جاگ رہے تھے پادری سمعان اس سنگین بوجھ کو اٹھائے اپنے گھر جا رہا تھا!

اس کا سیاہ لبادہ اور سفید لمبی داڑھی خون میں لت پت ہو چکی تھی، وہ آگے بڑھا چلا جا رہا تھا -

اس کے ہونٹوں پر شیطان کی زندگی کے لئے دعائیں کانپ رہی تھیں -!!

آبی پریاں

قریبی جزیروں کے ماحول میں جہاں آفتاب پیدا ہوتا ہے سمندر کی گہرائیوں میں ایک شجر ہے اور اس مقام پہ جہاں موتیوں کا مسکن ہے ..... ایک نوجوان کی لاش پڑی ہے جس کے اردگرد آبی دوشیزائیں گھیرا ڈال کر بیٹھی ہیں ان دوشیزاؤں کے بال لمبے اور سنہری تھی، انہوں نے اپنی گہری نیلگوں آنکھوں سے اس نوجوان کی لاش کو دیر تک دیکھا اور آپس میں ترنم ریز صداؤں میں باتیں کیں یہ گفتگو ان گہرائیوں سے نکل کر لہروں تک پہنچی اور لہروں نے کناروں تک پھینک دی اور وہاں سے شوخ ہوائیں اڑا کر مجھ تک لے آئیں،

اُن میں سے ایک نے کہا:

"یہ وہ انسان ہے جو ہماری دنیا میں اس وقت آیا جبکہ ہمارا سمندر غضبناک تھا۔"

اور دوسری نے کہا

"سمندر غضبناک نہیں، انسان جو اپنے آپ کو دیوتاؤں کا جانشیں کہتا ہے لوہے کی جنگ میں مصروف تھا اور اس کا خون بہنے لگا یہاں تک کہ اب سمندر کا پانی بھی رنگین ہو گیا ہے یہ شخص جنگ کا شکار ہے۔"

تیسری نے جسارت کر کے کہا:

"میں یہ تو نہیں جانتی کہ جنگ کیا ہوتی ہے لیکن میں اس انسان کو ضرور پہچانتی ہوں۔ زمین کو مسخر کرنے کے بعد اس کے ارادے تیز ہو گئے اور اس نے سمندر کو بھی مطیع کرنا چاہا، اس نے ایک ایسی عجیب و غریب شے بنائی جو اُسے پانیوں پر اٹھائے پھرتی تھی، اس پر ہمارا دیوتا نپتون انسان کی اس حرص پر بہت ناراض ہوا، خداوندِ بحر کو راضی کرنے کے لئے انسان نے قربانی کے تحفے بھیجنا شروع کئے اور یہ لاش جو اس وقت ہمارے سامنے ہے سمندر کے دیوتا کے حضور میں ایک تازہ ترین تحفہ ہے"

چوتھی نے یقین انگیز لہجہ میں کہا،

"نیپچون کتنا بڑا دیوتا ہے۔ لیکن کتنا سنگدل ہے! اگر میں پانیوں کی ملکہ ہوتی تو میں ایسے تحفے کبھی قبول نہ کرتی .... آؤ دیکھیں تو سہی انسان کیسا ہوتا ہے، شائد ہم بھی انسان سے متعلق کچھ معلوم کر کے دلچسپی محسوس کریں"

آبی پریاں نوجوان کی لاش کے قریب گئیں، جیبیں ٹٹولیں تو انہیں کاغذ کا ایک پرزہ ملا، ان میں سے ایک بلند آواز سے پڑھنے لگی۔

"میرے محبوب:

موسم بہار پھر آگئی اور میرے لئے سوائے آنسوؤں کے اور کوئی سکون

نہیں اور اس امید کے سوا اور کوئی تسکین نہیں کہ جنگ کے خونیں پنجوں سے نکل کر ایک روز تم میرے پاس پہنچ جاؤ گے میں ان الفاظ کو نہیں بھول سکتی جو تم نے الوداع ہونے پر کہے تھے۔

ہر انسان کے پاس آنسوؤں کا ایک خزانہ ہوتا ہے جن کو وہ ایک دن واپس ادا کر دیتا ہے۔

میرے محبوب میں نہیں جانتی کہ میں کیا کہوں لیکن میری روح اس کاغذ پر تڑپ رہی ہے ..... تیرے فراق میں میری روح کو بہت دکھ ہے۔ لیکن تمہاری محبت سے مجھے اطمینان ہے جس کے باعث درد مسرت میں اور غم خوشی میں بدل جاتا ہے،

جب محبت نے دو دلوں میں یگانگی پیدا کی اور ہم اس دن کا انتظار کرنے لگے کہ خدا اُن کو ایک جگہ اکٹھا کر دے گا تو جنگ نے اپنی خوفناک دعوت دی اور تم اپنے لیڈروں کے بتائے فرض کی انجام دہی کے لئے فوراً روانہ ہو گئے۔

یہ فرض بھی کیا فرض ہے جو محبوبہ کو محبوب سے جدا رکھتا ہے اور عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا دیتا ہے! یہ حب وطن بھی کیا حب وطن ہے جو جنگ کیلئے اشتعال دلاتی ہے اور سلطنتوں کو بڑی معمولی باتوں کے لئے تاراج کر دیتی ہے اور اگر ایک زندگی کا موازنہ کیا جائے تو یہ وجہ کتنی حقیر بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ فرض کیا ہے جو غریب اور مفلس دیہاتیوں کو پکارتا ہے کہ وہ ان طاقتور ظالموں کی شوکت کے لئے قربان ہو جائیں جو اُن کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے آپ کو

عالی نسب اور رفیع الشان انسان تعزر کرتے ہیں؛

اگر فرض کا کام یہ ہے کہ وہ قوموں کے امن کو تاخت کرے اور حبّ وطن کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی زندگی کا اطمینان چھین لے تو ہمیں کہنے دیجیے:۔

"ایسے فرض کو سلام' ایسی حُبّ وطن کو سلام"

نہیں، نہیں، میرے محبوب، میری باتوں کی طرف دھیان نہ دینا، پامردی اور وفاشعاری سے اپنے وطن کے لئے لڑو۔ اس دوشیزہ کی باتوں میں نہ آؤ، جو محبت میں اندھی ہو چکی ہے اور جو تنہائی اور فراق میں کھو گئی ہے.... اگر محبت نے اس زندگی میں تمہیں میرا نہ بنایا تو آنے والی زندگی میں تو ہم تم ایک ہو جائیں گے ہمیشہ تمہاری۔"

آبی پریوں نے کاغذ کا یہ پرزہ نوجوان کی جیب میں واپس رکھ دیا اور خاموشی سے غم و اندوہ میں لپٹی ہوئی تیر کر دُور چلی گئیں۔ اس سپاہی کی لاش سے دُور جا کر وہ پھر اکٹھی ہوئیں اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہمارے سمندر کے دیوتا سے انسان زیادہ سنگدل ہے!!"

شاعر

میں اس دنیا میں ایک اجنبی ہوں، اور میری جلا وطنی میں ایک سنگین تنہائی اور دردناک گوشہ نشینی ہے،

میں تنہا ہوں لیکن میں نے اپنی تنہائی میں بھی ایک غیر معروف اور سحر انگیز شہر آباد کر رکھا ہے، اس تصوراتی دنیا میں دور دراز ملکوں کی روحوں کے خواب بسیرے ہیں جنہیں آج تک میری نگاہوں نے دیکھا،

میں اپنی قوم کا ایک اجنبی ہوں میرا کوئی دوست نہیں، جب میں کسی شخص کو دیکھتا ہوں تو میں دل ہی دل میں پکارتا ہوں،

"وہ کون ہے؟ میں اُسے کون سے ذریعے سے جانتا ہوں۔ وہ یہاں کیوں موجود ہے، وہ کون سا قانون ہے جس نے مجھے اُس سے وابستہ کر رکھا ہے؟"

میں اپنے آپ کو بھی اجنبی تصور کرتا ہوں، جب میری زبان گویائی میں مصروف ہوتی ہے، میرے کان میری آواز پر متعجب ہو جاتے ہیں،

میں دیکھتا ہوں میرا دل اندر ہی اندر روتا ہے۔ قہقہے لگاتا ہے، خطرات سے دوچار ہوتا ہے، خوف سے گھراتا ہے۔

میری ہستی میری حقیقت پر حیران ہوتی ہے اور اس وقت میری روح

میں اس دنیا میں ایک اجنبی ہوں، اور میری جلاوطنی میں ایک سنگین تنہائی اور دردناک گوشہ نشینی ہے،

میں تنہا ہوں لیکن میں نے اپنی تنہائی میں بھی ایک غیر معروف اور سحر انگیز شہر آباد کر رکھا ہے، اس تصوراتی دنیا میں دور دراز ملکوں کی روحوں کے خواب بکھرے ہیں جنہیں آج تک میری نگاہوں نے دیکھا،

میں اپنی قوم کا ایک اجنبی ہوں میرا کوئی دوست نہیں، جب میں کسی شخص کو دیکھتا ہوں تو میں دل ہی دل میں پکارتا ہوں،

"وہ کون ہے؟ میں اُسے کون سے ذریعے سے جانتا ہوں۔ وہ یہاں کیوں موجود ہے، وہ کون سا قانون ہے جس نے مجھے اُس سے وابستہ کر رکھا ہے؟"

میں اپنے آپ کو بھی اجنبی تصور کرتا ہوں، جب میری زبان گویائی میں مصروف ہوتی ہے، میرے کان میری آواز پر متعجب ہو جاتے ہیں،

میں دیکھتا ہوں میرا دل اندر ہی اندر روتا ہے۔ قہقہے لگاتا ہے، خطرات سے دوچار ہوتا ہے، خوف سے گھراتا ہے۔

میری ہستی میری حقیقت پر میرا دل سوالی ہے اور اس وقت میری روح

میرے دل سے سوال کرتی ہے،

لیکن میں ایک غیر معروف ہی رہتا ہوا، جس کو ایک عظیم الشان خاموشی نے گھیر رکھا ہو،

میرے خیالات میرے جسم کے لئے اجنبی ہیں، اور جب میں آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں، میں اپنے چہرے میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو میری روح نہیں دیکھ سکتی، میں اپنی آنکھوں میں ایسی شے پاتا ہوں جس کو میری اندرونی شخصیت نہیں دیکھ سکتی۔

جب میں خالی النظر ہو کر شہر کی ہنگامہ خیز گلیوں میں سے ہو کر گزرتا ہوں تو بچے شور مچاتے ہوئے میرے پیچھے بھاگتے ہیں اور کہتے ہیں۔

"یہ آیا ہے ایک اندھا! آؤ اسے ایک عصا دیں تاکہ وہ راستہ تو محسوس کر سکے"

میں ان بچوں سے بھاگ کر دور نکل جاتا ہوں، تو کنواریوں کا ایک جھرمٹ میرے لبادے کا دامن پکڑ لیتا ہے۔ وہ کہتی ہیں "ہائے! یہ بیچارہ تو بالکل بہرا ہے آؤ اس کے کانوں کو مدھری تانوں سے بھر دیں"

اور جب میں اُن سے پیچھا چھڑا کر بھاگتا ہوں تو بوڑھوں کا ایک گروہ اپنی کانپتی ہوئی انگلیاں میری طرف کرتا ہے اور کہتا ہے۔

"یہ شخص تو پاگل ہے، جو جنات اور روحوں کی دنیا میں اپنے حواس

کھو بیٹھتا ہے"۔

میں اس دنیا میں ایک اجنبی ہوں،
میں دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے تک گھوم گیا۔ لیکن مجھے کہیں بھی جگہ نہ ملی جہاں مجھے سکون ملتا، میں جس شخص سے بھی ملا ہوں میں اُسے پہچان نہیں سکا۔ مجھے کوئی انسان نہیں ملا جو میرے دل کی آواز کو سن سکتا،
جب نُور کے تڑکے میں نے اپنی بے خواب آنکھوں کو کھولا تو میں نے دیکھا کہ میں ایک سیاہ غار میں مقید ہوں جس کی چھت پر کیڑے لٹکے ہوئے ہیں اور فرش پر بچھو اور سانپ رینگ رہے ہیں۔
میں باہر نکلتا ہوں تاکہ روشنی سے ملاقات کروں لیکن میرے جسم کا سایہ میرے ساتھ رہتا ہے البتہ میری روح کا سایہ بہت آگے بڑھ کر مجھے غیر معروف وادیوں میں گھسیٹ کرے جاتا ہے جہاں میں فاتر العقل ہو کر رہ جاتا ہوں اور ایسی چیزیں دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بے معنی ہیں،
شام ہوئی تو میں لوٹا، اس بستر پر لیٹتا ہوں جو نرم و نازک پروں سے بنا ہوا تھا لیکن کناروں پر کانٹوں کی قطاریں ہیں، اس وقت میں لذّت آزاد و مسرت سے آگاہ ہوتا ہوں اور دردناک اور مسرت زا امیدوں کی تھرتھری محسوس کرتا ہوں،
آدھی رات ہوئی تو ازمنۂ قدیم کی روحیں اور فراموش شدہ تہذیب کے

بھوت میری غار کی دراڑوں میں سے اندر آتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ان کی طرف گھورتا ہوں اور وہ ٹکٹکی باندھ میری طرف دیکھتے ہیں،

میں اُن سے ہمکلام ہوتا ہوں اور وہ مسکراتے ہوئے میری باتوں کا جواب دیتے ہیں۔ پھر جب اُن کو بھینچ لینا چاہتا ہوں لیکن وہ میری انگلیوں کے خلا میں سے تھرک کر باہر نکل جاتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ پھر وہ اس کہر کی طرح غائب ہو جاتے ہیں جو جھیل کی سطح پر لہراتی رہتی ہے،

میں اس دنیا میں اجنبی ہوں،

اس دنیا میں کوئی بھی نہیں، جو میری بولی سمجھ سکے۔ اچانک میرے ذہن میں انوکھی یادوں کے نقش و نگار معرضِ وجود میں آتے ہیں، میری آنکھیں عجیب و غریب صورتیں اور غمناک روحیں پیدا کرتی ہیں۔ میں تنہا مرغزاروں میں جاتا ہوں، جہاں میں دیکھتا ہوں کہ پہاڑی نالے بڑی تیزی سے پہاڑی کے دامن سے پہاڑی کی چوٹی کی طرف تیزی سے بہ رہے ہوتے ہیں جب دیکھتا ہوں کہ بے برگ اور عریاں درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ ان کے پتے آنِ واحد میں جھڑ جاتے ہیں، پھر ٹہنیاں ٹوٹ کر زمین پر گر پڑتی ہیں اور گرتے ہی دھاریدار سانپ بن جاتی ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ فضاؤں میں پرندے اڑتے ہوئے راگ گاتے ہیں پھر

وہ اچانک رُک جاتے ہیں اور اپنے پروں کو کھولتے ہیں اور لمبے بالوں والی حسین ترین کنواری لڑکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور وہ لڑکیاں اپنی سرمگیں اور مدبھری آنکھوں سے میری طرف دیکھتی ہیں۔ ان کے ہونٹ شہد میں ڈوبے ہوتے ہیں وہ مجھے دیکھ دیکھ کر مسکراتی ہیں، وہ اپنے خوشبوناک ہاتھ میری طرف بڑھاتی ہیں پھر وہ بھوت پریت کی طرح نظروں سے غائب ہو جاتی ہیں لیکن خلا میں ان کے طنزیہ قہقہوں کی گونج باقی رہ جاتی ہے۔

میں اس دنیا میں ایک اجنبی ہوں،

میں ایک شاعر ہوں۔ میں اس شے کو شعر کے سانچے میں ڈھالتا ہوں جس کو زندگی نثر میں بیان کرتی ہے اور جس شے کو زندگی شعر کے سانچے میں ڈھالتی ہے میں اُسے نثر میں بیان کرتا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ میں ایک اجنبی ہوں،

میں اس وقت تک اجنبی رہوں گا جب تک موت کے ملائم اور سفید بازو مجھے اٹھا کر میرے حسین ترین شہر میں نہ لے جائیں گے۔

وہ شہر ایسا ہے جہاں روشنی، امن اور ادراک کی آبادی ہے۔

میں وہاں دوسرے اجنبیوں کا انتظار کروں گا جو اس تاریک و تنگ دنیا سے نجات پا کر وہاں آئیں گے۔

۱۱۶ قبل مسیح کی ایک بہار

(۱)

رات چھا چکی تھی، چاروں طرف خاموشی طاری تھی۔ شہر آفتاب[1] میں زندگی نیند میں کھو چکی تھی، عظیم الشان مندروں کے نزدیک جہاں زیتون کے درخت جھرمٹ کئے ہوئے تھے، خال خال گھروں میں چراغ گل کئے جا چکے تھے۔

رات کی خاموشی میں سفید مرمریں ستونوں پر چاند کی کرنیں اُمڈی پڑتی تھیں، یہ ستون دیوتاؤں کے مندروں کے پہرہ دار تھے اور وہ لبنان کے میناروں کو پریشانی سے دیکھ رہے تھے جو دُور پہاڑیوں کی پیشانیوں پر کانپتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

---

[1] زمانہ قدیم میں بعلبک (شہر بعل) کو "شہر آفتاب" بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ شہر سورج دیوتا ہیلی یوس کے اعزاز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اور مورخوں کا قول ہے کہ بعلبک سارے مشرقِ وسطیٰ میں حسین ترین شہر تھا۔ آج اس شہر کے کھنڈر یہ بتا رہے ہیں کہ اس کا تعمیری رنگ رومیوں سے مستعار لیا گیا تھا جب انہوں نے شام پر قبضہ کر رکھا تھا۔

ان لمحات میں جب روحیں بھی نیند کی گود میں جا بیٹھتی ہیں۔ اس وقت ناتھن بڑے پجاری کا بیٹا اختر کے مندر میں داخل ہوا۔ اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں درخشاں مشعل تھی

اس نے چراغ روشن کئے، عود کو آگ لگائی اور اس کے بعد مراد لوبان کے معطر دھوئیں دُور تک پھیل گئے۔ اس کے بعد وہ سجدہ گاہ پر جھک گیا جہاں عاج اور زر کے نقش و نگار تھے، اس نے دیوتا اختر کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے دردناک لہجے میں پکارا:

"اے حسن و عشق کے دیوتا! اے اخترِ اعظم مجھ پر رحم کر، رحم کی درخواست قبول کر اور میری محبوبہ سے موت کا ہاتھ جھٹک دے، میں اپنی محبوبہ کو منتخب کر چکا ہوں .... اطبا کے نسخے اور سیانوں کے عمل بے کار ہو چکے ہیں، پجاریوں کے تعویذ بھی کام نہیں آ سکے،

اب صرف تمہاری مقدس مرضی کے بغیر اور کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

تم ہی میرے راہبر اور میری امداد ہو، میری آواز سنو، اے رحمدل دیوتا! میری دعا قبول کر۔ میرے ٹوٹے ہوئے دل اور تڑپ دردِ روح پر ایک نگاہ ڈال!

میری محبوبہ کو زندگی عطا کر تاکہ ہم دونوں تیرے محبت کے رازہائے سربستہ میں شاداں و فرحاں زندگی بسر کر سکیں، ہم جوانی کے ذی شان حسن میں مگن ہو جائیں جو قوت و دانش کے اسرار و رموز کو بے نقاب کرتا ہے، اے عظیم الشان اختر! میری

پکار میرے دل کی گہرائیوں سے بلند ہو رہی ہے اور رات کی تاریکیوں کی اوٹ میں میں تیرے رحم کی بھیک مانگنے آیا ہوں۔

اے اشترا میری بات سنو! میں تیرا خادم ناتھن ہوں۔ وہ ناتھن جو بڑے پجاری ہرم کا بیٹا ہے، میں تیری عظمت کے حضور میں اپنے سارے اعمال و اقوال پیش کرتا ہوں۔

میں نے سارے شہر کی دوشیزاؤں میں سے ایک دوشیزہ کو انتخاب کیا اور اسے اپنا ساتھی بنایا لیکن خبات کی دلہنیں جل کر آگ بگولہ ہو گئیں اور اس کے جسم میں ایک اجنبی بیماری داخل کر دی اور موت کا قاصد اس کے پاس بھیج دیا جو اس وقت ایک بھوکے عفریت کی طرح اس کے بستر پر منڈلا رہا ہے' وہ اس وقت اپنے سیاہ شہپر کو پھیلا چکا ہے اور اپنا خونیں پنجہ بڑھا دیا ہے تاکہ اپنے شکار پر جھپٹ سکے،

میں تمہارے حضور میں آیا ہوں' اس لئے آیا ہوں کہ تم مجھ پر کرم کرو اس پھول کو زندگی بخش دو جس نے ابھی بہار نہیں دیکھی۔

اُسے موت کے چنگل سے بچا لو تاکہ ہم تمہارے گیت گائیں اور تیرے اعزاز میں لوبان کو روشن کریں اور تیرے پاؤں پر بھینٹ چڑھائیں۔

ہم تیرے بڑے پیالے عطروں سے بھر دیں گے اور تیرے مندر کے چبوترے پر گلاب کے پھول بکھیر دیں گے اور چاروں طرف عود جلائیں گے۔

اے اختر! اے معجزوں کی دیوی! میری محبوبہ کو بچالو، محبت کو موت پر فتح پانے دو، یہ مسرت اور غم کی کشمکش ہے۔[1]

ناتھن خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور دل کی گہرائیوں سے آہیں اُٹھنے لگیں، اس نے کہا:

"آہ! اے مقدس اختر! میرے خواب ٹوٹ گئے، میرا دل اندر ہی اندر گھُل رہا ہے، اپنے کرم سے مجھے نوازو، میری محبوبہ کی جان بخشی کرو۔"

اس وقت ایک غلام اندر آیا اور جلدی سے ناتھن کے کان میں کہنے لگے!

"آقا! اس نے آنکھیں کھول دی ہیں اور ادھر اُدھر دیکھ رہی ہے، اور آپ سے ملنے کے لئے بے تاب ہے، میں بھاگا ہوا آپ کے پاس آیا ہوں۔"

ناتھن فوراً روانہ ہوا اور غلام اس کے پیچھے پیچھے گیا، جب وہ اپنے محل میں پہنچا اور سیدھا اپنی محبوبہ کے حجلہ میں گیا۔ اُس نے بستر پر جھک کر اس کے نحیف ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کے ہونٹوں پر بوسے دینا شروع کر دیئے گویا وہ اس کے جسم میں اپنی زندگی کے تازہ اور صحت مند سانس داخل

---

[1] جہالت کے زمانے میں عربوں کا یہ اعتقاد تھا کہ اگر جن کسی انسان سے محبت کرے گا تو وہ اس کی شادی نہیں ہونے دیگا اور اگر اُس نے شادی کرلی تو وہ دُلہن پر جادو کرکے ہلاک کر دیگا۔ یہ تاریخی توہم اب تک لبنان کے بعض دیہات میں موجود ہے۔

کرنا چاہتا تھا۔ اس نے حریری تکیے پر اپنے سر کو حرکت دی اور پھر آنکھیں کھولیں۔

اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی جو اس کے پژمردہ جسم کی ایک خفیف سی نشانی تھی ——— یہ اس دل کی پکار کی گونج تھی جو چند لمحوں میں ساکن ہو جانے والا تھا، وہ کچھ کہنے لگی، اس کی آواز اس بھوک کے بچے کی کراہوں کا مجموعہ تھی جو اپنی مردہ ماں کے سینے پر دودھ تلاش کر رہا ہو، وہ کہنے لگی!

"اے میری روح کی زندگی! دیوی نے مجھے بلایا ہے اور موت اس لئے آئی ہے کہ مجھے تم سے جدا کر دے، غم نہ کھاؤ دیوی کا عزم مقدس ہوتا ہے اور موت کے مطالبات عدل پر مبنی ہوتے ہیں، اب میں جدا ہو رہی ہوں اور میں سپیدی کے نزول کی سرسراہٹ محسوس کر رہی ہوں۔

——— لیکن ہمارے ہاتھ میں ابھی تک شباب کے جام لبریز ہیں۔

اس حسین زندگی کے گل بداماں راستے ابھی تک ہمارے سامنے پھیلے ہوئے ہیں۔ میرے محبوب! میں روح کی کشتی پر سفر کا عزم کر چکی ہوں۔

میں اس دنیا میں پھر آؤں گی،

اشتر دیوتا ان روحوں کو دوبارہ اس دنیا میں لے آتا ہے جو عشق کی رنگینی اور جوانی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونے سے پہلے عالم جاوداں کو رخصت ہو گئیں

آہ ناتھن! ہم پھر ایک دوسرے سے ملیں گے اور کنول کے شفاف پیالوں سے ایک بار پھر نور کے تڑکے شبنم کے گھونٹ پئیں گے اور قوس قزح کی رنگین فضا

میں پرندوں کے نغموں سے لذت اٹھائیں گے۔

"میرے ہمیشہ کے ساتھی! اس وقت تک کے لئے الوداع!"

اس کی آواز مدھم ہو گئی، ہونٹ اس پھول کی طرح کانپنے لگے جو صبح سویرے ہوا کی زد میں آجائے۔

ناتھن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی وہ اپنی محبوبہ سے لپٹ کر دھاڑیں مارنے لگا۔ جب ہونٹوں سے ہونٹ ملے تو اس کی محبوبہ کے ہونٹ پتھر کی طرح یخ ہو چکے تھے۔

اس نے ایک ہولناک چیخ ماری، وہ اپنا لبادہ پھاڑنے لگا۔ وہ اپنی محبوبہ کی لاش پر گر پڑا اور اس کی لرزاں روح زندگی کے کہستان اور موت کی بلند ترین چوٹی کے درمیان مدہوش و آوارہ پرواز کرنے لگی۔

رات کے سکون انگیز ماحول میں خوابیدہ روحیں بیدار ہو گئیں، جب بچوں اور عورتوں نے اختر کے بڑے پجاری کے محل سے درد سے لبریز چیخیں اور گریہ وزاری سنی تو وہ خوفزدہ ہو گئیں۔

جب پژمردہ صبح نمودار ہوئی تو لوگ ناتھن سے ہمدردی کرنے کے لئے آئے لیکن انہیں یہ پتہ چلا کہ ناتھن غائب ہو چکا ہے،

پندرہ روز کے بعد ایک کارروان نے شہر میں آکر خبر دی کہ انہوں نے ناتھن کو بیابان میں دیکھا ہے وہ غزالوں کے ساتھ صحرا نوردی کر رہا تھا۔

کئی زمانے گزر گئے۔ وقت اپنے ان دیکھے پاؤں سے کتنی تہذیبوں کی تخیف کارفرمائیوں کو روندتا ہوا گزر گیا،

عشق و حسن کی دیوی اس سرزمین کو چھوڑ کر کہیں اور چلی گئی اور اس جگہ ایک عجیب و غریب دیوی مقرر ہوئی، اس دیوی نے شہر کے عظیم المرتبت معبدوں اور حسین و جمیل محلات کو تباہ و برباد کر دیا،

شگفتہ گلستان اور زرخیز مرغزار بنجر اور ویران ہو گئے۔

اس سرزمین وادی میں بربادیوں کے آثار کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا جس سے کل کی یادیں تو یاد دینے کے لئے کافی تھیں اور غمناک روحوں کو گذشتہ عظمت کے گیتوں کی صرف گونج سنائی دیتی تھی۔

لیکن یہ سنگین زمانے انسان کی کارگزاریوں کو تو پامال کر سکتے ہیں لیکن اس کے خوابوں کو پامال نہیں کر سکتے اور نہ ہی اُس کی محبت کو کمزور کر سکتے ہیں کیونکہ خواب اور پیار کی لہریں دونوں ازلی روح کے ساتھ جاودانی ہیں۔

وہ عارضی وقفے کے لئے جب رات فضا پر چھا جاتی ہے۔ سورج کے تعاقب میں غائب ہو جائیں یا پہلی کرن کے ساتھ جیسا کہ ستارے غائب ہو جاتے ہیں لیکن آسمانوں کی روشنیاں ہمیشہ کے لئے غائب نہیں ہوتیں اسی طرح وہ خواب اور پیار کی لہریں لوٹ کر آجایا کرتی ہیں۔

(۲)

سنہ ۱۸۹۰ء کی ایک بہار

دن ختم ہو چکا تھا اور قدرت ساری کائنات کو نیند کی لپیٹ میں لینے کے لئے تیاری کر رہی تھی۔ آفتاب نے بعلبک کے میدانوں سے اپنی کرنیں واپس بلا لی تھیں۔

علی الحسینی[1] اپنے گلے کو ہانک کر قدیم معبد کے کھنڈروں میں لے آیا تھا وہ قدیم ستونوں کے قرب میں بیٹھ گیا، یہ ستون ان سپاہیوں کی ہڈیوں کی یادگاریں بن چکے تھے جو میدانِ وغا میں کام آئے تھے۔ اُس نے الغوزہ پر ایک دُھن چھیڑ دی اور بھیڑیں اُس کے گرد اس طرح مبہوت ہو کر بیٹھ گئیں گویا وہ نغمہ کی لے میں مست ہیں،

آدھی رات کا سماں ہو چکا تھا اور آسمان نے تاریکی کے خطوط میں آنے والے کل کا ڈنک بھر دیا،

علی کی آنکھیں بیداری کے خوابوں سے بھاری ہو گئیں اور اس کا ذہن

---

[1] حسینی عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو موجودہ دور میں بعلبک کے کھنڈروں کے اردگرد آباد ہے۔

روح کے اس جلوس کے باعث درماندہ ہو چکا تھا جو کھنڈروں کے درمیان ہولناک خاموشی کے ساتھ گزر رہا تھا۔

نیند نے اپنا پُر شکن دامن اس کے حواس پر اس طرح پھیلا دیا گویا ایک نازک سی بدلی خاموش جھیل کی سطح پر لہرا گئی۔ وہ صحیح وجود کو بھول گیا اور اپنی غائب ذات سے دو چار ہوا جہاں خوابوں اور آدرشوں کی دنیا انسان کے بنائے ہوئے قانون اور تعلیمات سے بہت بلند تھی۔

اس کی حدِ نگاہ کے سامنے حدِ ادراک کا عالم بے نقاب ہوا اور زندگی کے اسرار و رموز آہستہ آہستہ اس کے سامنے نمودار ہوئے۔

اس کی روح نے وقت کی تیز رفتار نمائش کو الوداع کہی اور رعد و مینہ کی طرف تیزی سے بڑھی اور موزوں خیالات اور شفاف تصوّرات کے سامنے تنہا رہ گئی۔

زندگی میں پہلی بار علی اس راز سے باخبر ہوا کہ اس روحانی قحط کے اسباب کیا تھے جو اس کے شباب کے ہم رکاب رہے ... وہ قحط جو زندگی کی تلخی اور شیرینی کے درمیانی خلیج کو پاٹتا ہے ...... وہ پیاس جو محبّت کی آہوں اور اطمینان کی خاموشی کو قناعت اور آسودگی سے وابستہ کرتی ہے .....

وہ آرزو جو دنیا کی عظمتوں کے سامنے ہزیمت تسلیم نہیں کرتی اور نہ ہی رفتارِ زمانہ سے اس میں پیچ و خم پیدا ہو سکتے ہیں'

علی نے اپنے اندر ایک اعلیٰ الفت کا ایک طوفان اور لطیف محسوسات

کا ایک جذبہ پا لیا، یہی یادوں کی قوت تھی اور اس میں یوں حیاتِ نو پیدا ہوئی گویا ملبند آتش دانوں پر عنبر اور لوبان دہکنا شروع ہو گیا ...... یہ عشق و محبت کا سحر تھا جس کی نرم و نازک انگلیوں نے علی کے دل کے تاروں کو یوں چھیڑ دیا گویا موسیقار نے ساز کے لرزتے ہوئے تاروں کو مضراب سے چھیڑ دیا۔

یہ ایک نئی قوت تھی جو عالمِ لاسے وجود میں آئی اور شدت سے نشو و نما پاتی ہوئی حقیقی شخصیت سے بغلگیر ہوئی اور اس شخص کی روح کو آرزو انگیز محبت سے بھرپور کر دیا ـــــ یہ محبت درد انگیز بھی تھی اور شیریں بھی!

علی نے کھنڈروں کی طرف دیکھا اور اس کی بوجھل آنکھیں چوکس ہو گئیں، اُس نے ان برباد خانقاہوں کی گذشتہ عظمت پر غور کیا جو اب بھی پُر شوکت اور ناقابلِ تسخیر اور غیر فانی انداز سے کھڑی تھیں۔

اس کی آنکھیں جھپکنا بھول گئیں اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

اور اس اندھے کی طرح جسے اچانک بینائی حاصل ہو گئی ہو اس نے دیکھنا، سوچنا اور تصور کرنا شروع کر دیا ہو ......

اُس نے ایک محبوب اور مقدس دیوی کے چرنوں سے چراغ اور بخور دان اکٹھے کیے ......

اُسے یاد آیا کہ پجاری سونے اور ہاتھی دانت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا کرتے تھے ......

اس کی نگاہوں کے سامنے دیو داسیاں اور طنبورہ نواز صورتیں پھر گئیں —— وہ گیت اسے سنائی دینے لگے جو عشق اور حُسن کی دیوی کے اعزاز میں گائے جاتے تھے —— اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے سب کچھ دیکھا۔

اس نے اپنے دل کی حبس دم گہرائیوں میں ان چیزوں کو ظلمت میں لپٹا ہوا پایا۔

لیکن یہ یادیں کیا ہیں ؟ —— زمانۂ ماضی کی گہرائیوں میں گونجی ہوئی آوازیں —— ! پھر ان گوندھی ہوئی مضبوط یادوں اور اس نوجوان میں جو خیمے میں پیدا ہوا اور جس نے مرغزاروں میں بھیڑیں چرا کر اپنی زندگی کی بہاریں لٹا دیں میں کون سا انوکھا رشتہ باقی رہ جاتا ہے ؟

علی نے اپنے سارے حواس مجتمع کئے اور کھنڈروں میں چلنے لگا دلدوز یادوں نے اچانک اس کے خیالات سے عالمِ فراموشی کے پردے چاک کئے، جونہی وہ معبد کے بڑے اور ظلمت انگیز دروازے کے نزدیک پہنچا تو وہ یوں ٹھیرا گویا کسی سحر نے اس کے پاؤں کو باندھ دیا،

اس نے دیکھا کہ زمین پر ایک شکستہ بت پڑا ہوا ہے خیب کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور اس کی روح نے اس طرح آنسو بہانا شروع کیا گویا ایک گہرے زخم سے لہو کی دھار بہ نکلی ہے۔

اس کے دل میں مدوجزر کا ایک طوفان برپا ہوا گویا سمندر کی خشمگیں لہریں

کناروں سے ٹکرا دی ہوں،

اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور درد سے کراہنے لگا، اس نے دردناک تنہائی اور برباد کن علیحدگی کو محسوس کیا جو اس کے دل اور اس دل کے درمیان ایک وسیع خلیج بن کر نظر آ رہی تھی جس کو اسے اپنی زندگی کے پہلے دن ہی جدا کر دیا گیا تھا۔

اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس کی روح کے عناصر خدائے قدوس کی قندیل کے شعلوں سے مرتب ہوئے ہیں جس کو ذات باری نے زمانے کی آفرینش سے پہلے اپنے سے الگ کر دیا تھا۔

اس نے اپنے دل کے شعلوں میں پرنیاں کی طرح نرم و نازک لمس محسوس کیا ـــــ یہ وہی محبت ہے جس کی قوتیں ذہن کو مقدار اور اندازہ کی دنیا سے دور لے جاتی ہیں ـــــ یہ محبت اس وقت مصروف کلام ہوتی ہے جب زندگی کی زبان پر مہر خاموشی ثبت ہو جاتی ہے ـــــ یہ محبت مینار روشنی کی طرح رہنمائی کرتی ہے لیکن اس مینار سے بظاہر روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔

وہ عشق یا وہ آفرینندہ جو ان خاموش گھڑیوں میں علی کے دل و دماغ پر طاری ہوا تھا۔ اس کی زندگی کے ہر پہلو میں تلخ اور شیریں محبت کے نقوش ثبت کر دئیے گویا تر و تازہ پھولوں کے پہلو میں کانٹے موجود ہوں۔

لیکن یہ محبت کیا شے ہے اور یہ کہاں سے آئی؟ اُسے اس گلہ بان کی کیا

پر داجو اس وقت کھنڈروں میں سر جھکائے دو زانو کھڑا ہے؛ کیا یہ بیج کسی بڑی دوشیزہ نے صحرا میں پھینک دیا ہے۔ یا روشنی کی کرن ظلمتوں کی اوٹ سے زندگی کو اجاگر کرنے کے لئے نمودار ہوئی! کیا یہ کوئی خواب تو نہیں جو رات کی تاریکیوں میں رینگتا ہوا اس کی تضحیک کے لئے آیا ہو؛ کیا یہ صداقت ہے جو ازل سے موجود ہے اور ابد تک رہے گی؟

علی نے اپنی آنکھوں سے بر تر آنکھیں موند لیں اور اپنی بانہیں ایک گداگر کی طرح پھیلاتے ہوئے کہا:

"تم کون ہو جو میرے دل کے اتنے نزدیک ہو لیکن نگاہوں سے کتنی دور۔! تم میرے اور میری حقیقی ذات کے درمیان ایک دیوار بن گئی ہو اور تم نے میرے آج کو میرے ماضی سے مربوط کر دیا ہے،

کیا تم ابدیت کے ملک کی کوئی روح ہو جو مجھے زندگی کی کم مائگی اور انسانیت کی کمزوری بیان کرنے آئی ہو! یا کسی عفریت کی روح جو زمین کی تاریکیوں سے نکل کر مجھے غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے آئی ہو تاکہ میں اپنے قبیلے کے جوانوں کے لئے باعث تضحیک بن جاؤں؟

تم کون ہو؟

اور یہ کونسی طاقت ہے جو کسی وقت تو میری روح میں مسرور بخش خون دوڑا دیتی ہے اور کبھی مجھے پژمردگی کے مرقع میں بدل دیتی ہے؟

میں کون ہوں !

اور یہ اجنبی سی ذات کون ہے جسے "میں" کے نام سے پکارا جاتا ہے !

کیا اس آبِ حیات نے جو میں نے پیا ہے مجھے فرشتہ بنا دیا ہے کہ میں کائنات کی ساری دھڑکنیں اور اسرار و رموز سُن اور دیکھ سکتا ہوں یا یہ محض شرابِ خیشہ ہے جس نے مجھے بدمست بنا کر مجھ کو مجھ سے چھپا لیا ہے !"

وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا پھر اس کی روح بحرِ انبساط میں غرق ہو گئی، وہ کہنے لگا،

"اے وہ ذات جو روح کے پروان میں بے نقاب ہوتی ہے اور رات کی خاموشی میں پنہاں ہوتی ہے . . . . اے حسین روح ! تم میرے خوابوں کے آکاش میں پھڑپھڑا رہی تھی — تم نے مجھ میں ایک بے حس و حرکت تخیل پیدا کر دی ہے اس زندہ بیج کی طرح جو برف کی تہوں میں لپٹا ہوا ہو

تم ایک شوخ ہوا کی طرح میری بھوکی انانیت کے قریب جنت کے پھولوں کی باس لے کر گزری ہو،

تم نے میرے محسوسات کو چھوا اور اب وہ درخت کے پتوں کی طرح کانپ رہے ہیں،

اگر تم انسان ہو تو میرے سامنے آجاؤ تا کہ میں تمہیں آنکھوں سے دیکھ سکوں . . . . یا میری آنکھوں کو بند ہو جانے کا حکم دیدو تا کہ میرے

تعصب کی آنکھیں تمہاری وسعت کو دیکھ سکیں۔

مجھے چھونے دو۔ میں لمس کے لئے بیقرار ہوں میں تمہاری آواز سننے کیلئے بے تاب ہوں۔

بربریت کے پردے پھاڑ ڈالو جنہوں نے میرے تمام مقاصد کو چھپا رکھا ہے۔ اس دیوار کو گرا دو جو میری آنکھوں کو میری دیوی کو دیکھنے نہیں دیتی۔

مجھے وہ شہپر عطا کرو تاکہ میں کائنات اعظم کے دالانوں تک پہنچ سکوں اور اگر تم جنات کی دلہن ہو تو میری آنکھوں کو مسحور کر دو تاکہ میں تمہاری گپھاؤں تک تمہارا تعاقب کر سکوں۔

اگر میں اس قابل ہوں تو میرے سینے پر ہاتھ دھر کر مجھے اپنا لو۔"

علی یہ الفاظ رات کے پراسرار اندھیرے میں زیر لب کہہ رہا تھا کہ اس کے سامنے رات کی روحیں رینگ رہی تھیں گویا وہ بخارات تھے جو اس کے ابلتے ہوئے آنسوؤں سے نکل کر فضا میں رواں دواں تھے۔

اس نے یوں محسوس کیا کہ معبد کی دیواروں پر جادو کی تصویریں منقوش ہیں جو قوس قزح کے موقلم سے بنائی گئی ہیں۔

علی کو آنسو بہاتے اور اسی دردناک حالت میں مبتلا ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا، وہ اپنے دل کی دھڑکنیں سنتا رہا۔ وہ دنیا کی اشیا سے پرے کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا گویا زندگی کے نقوش مٹتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ خوابوں

کے دھندلکے چھا رہے ہیں اور ان کے حسن کی اجنبیت شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

جس طرح پیغمبر الہام کے انتظار میں ستاروں کو دیکھنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اسی طرح وہ اس طاقت کے انتظار میں محو ہو گیا جو سرحدِ ادراک سے بہت پرے تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس کی روح اس کی ذات سے الگ ہو کر معبدوں میں اس کی حیاتِ مستعار کے اس بے حد قیمتی اور غیر معروف حصے کو تلاش کر رہی ہے جو کھنڈرات میں کھو گیا ہے۔

نور کا تڑکا ہوا اور نسیم سحر کے ساتھ ساتھ خاموشی کا ہنگامہ برپا ہوا، کرنوں نے اپنا پہلا سفر طے کیا اور کائنات کے ذرے ذرے کو منور کر دیا۔

آسمان اس طرح مسکرایا گویا کوئی شخص خواب میں اپنے محبوب کے پیکر کو دیکھ رہا ہو۔

دیواروں کے مقدس شگافوں میں سے پرندے پھڑپھڑائے اور انہوں نے ستونوں والے دیوانخانے میں صبح کی دعا گائی۔

علی نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا اُس کی چمکیلی آنکھوں میں سے نگاہیں نکل کر زمین پر پیوست ہو گئی تھیں، آدم کی طرح جبکہ خدائے قدوس نے اس کے جسم میں روح پھونک دی تھی علی نے اپنی آنکھوں کے سامنے نئے محسوسات ناچتے دیکھے، یہ محسوسات عجیب و غریب اور تخیلاتی سے تھے!

وہ اپنی بھیڑوں کے نزدیک گیا، انہیں بلایا، وہ اس کے پیچھے گھاس کے

کھیتوں کی طرف خاموشی سے چل دیں۔ جیدا آگے آگے جا رہا تھا، اُس نے فلسفی کی طرح آسمان کی طرف نگاہیں ڈالیں اور کائنات کے اسرار پر غور کیا۔

وہ ایک ندی کے قریب پہنچا۔ جس کے ہلکے نغمے روح کو سکون پہنچا رہے تھے۔

وہ ندی کے کنارے بید کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا، درخت کی شاخیں پانی کی سطح کو چھو کر ٹھنڈے پانی سے پیاس بجھا رہی تھیں، جب بھیڑیں پھولوں کے پودوں کے درمیان ہری گھاس چگ رہی تھیں اس وقت کہیں کہیں اُن کی اُون پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے۔

چند لمحوں کے بعد علی نے یہ محسوس کیا کہ اُس کے دل کی دھڑکنوں میں پھر تیزی پیدا ہوئی اور اس کی روح بھی شدت سے پھڑپھڑانے لگی۔ وہ اس پھڑپھڑاہٹ کو قریباً اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس ماں کی طرح اچانک خواب سے بیدار ہوا جو اپنے بچے کی چیخ سُن کر بچے کی طرف لپکتی ہے، وہ اپنی جگہ سے بھاگا۔

اُس نے ایک حسین دوشیزہ کو دیکھا جو کاندھے پر مٹی کا گھڑا اٹھائے ہوئے تھی اور وہ ندی کے دوسرے کنارے پر آ رہی تھی۔ اس نے دوسرے کنارے پر نگاہ ڈالی۔ اُس نے علی کو دیکھا، دیوانوں کی طرح وہ چلائی اور گھڑا پھینک کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

اُس نے علی کو فکرمندانہ اور بے اعتمادی سے مڑ کر دیکھا،

ایک لمحہ گزر گیا۔ اس لمحے میں کئی ایسے لمحے فروزاں ہوئے جنھوں نے ان دونوں کی روحوں کو تاباں کر دیا، خاموشی سے دھندلی یادوں نے کروٹ لی۔ بھولے بسرے نقوش ابھرنے لگے جو کبھی اس ندی سے دُور —— ان درختوں کی اوٹ میں جاگزیں ہوئے تھے۔

ان دونوں کو اس معنی خیز خاموشی میں ایک دوسرے کی آوازیں سنائی دیں۔ انھوں نے اپنے دلوں اور روحوں کی آہوں کو سنا یہاں تک کہ دونوں کی روحوں میں کامل تفہیم پیدا ہوئی۔

علی کے دل و دماغ پر ابھی تک پُراسرار قوتیں طاری تھیں۔ وہ بجلی کی طرح ندی کو عبور کر گیا اور دوشیزہ کے قریب جا پہنچا، وہ دیوانہ وار بغل گیر ہوا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک طویل بوسہ دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ علی کے پیار کی قہر یتی نے اس دوشیزہ کی قوتِ ارادی پر غلبہ حاصل کر لیا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی رہی علی کو باہوں کی لطافتوں نے اس کی طاقت سلب کر لی، اور وہ یاسمن کی بھینی بُو کی طرح علی کے جسم میں سما گئی . . . .

. . . .

. . . .

اس نے ایک زخم خوردہ انسان کی طرح علی کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا اور اس طرح خاص سکون حاصل کیا۔

اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری ——— یہ ٹھنڈی سانس ٹوٹے ہوئے دل کے لئے مسرتوں کی نئی آفرینش کا اعلان تھا، ان پروں میں حیاتِ نو کی اُٹھان تھی۔ جو ایک بار زخمی ہو کر پستیوں کی طرف آ گئے تھے۔

اس عورت نے اپنا سر اُٹھایا اور اپنی نگاہوں میں اپنی روح مجتمع کر کے اُس کی طرف دیکھا ——— یہ ایسی نگاہ تھی جس کی خاموشیوں میں روائتی الفاظ اور جملے بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

——— یہ اس کے دل کی زبان تھی جس کے اظہار سے لاکھوں تخیّلات ٹپک رہے تھے۔

——— اس کی نگاہوں میں محبت کا وہ سحر آفریں اضافہ نہیں تھا جو الفاظ کا مرہونِ منّت ہو۔ بلکہ ان دو روحوں کا اتحاد تھا جن کو ارضی قوّتوں نے جدا کیا اور رب العزّت نے دوبارہ متحدّ کر دیا

یہ جوڑا محبت بھرے دل اپنے سینوں میں لئے ہوئے بیدِ مجنوں کے درختوں میں محوِ خرام ہوا اور اُن کے اتّصال اور جسمانی آمیزش کے بعد ان دونوں میں وحدانیت ہی باقی رہ گئی تھی۔ یہی وحدانیت مسرّتوں کی عظمت کی آنکھ اور عشق کے بے پایاں اعلان کی خاموش سامع تھی۔

بھیڑیں اسی طرح مرغزاروں میں پھر رہی تھیں، آسمانی طیور ابھی تک ان کے سروں پر سایہ فگن تھے۔ رات کی سلطنت ختم ہونے کے بعد پرندوں نے صبح

کا راگ الاپا۔

وہ وادی کے آخری موڑ پر پہنچے تو آفتاب پہاڑیوں اور گودیوں کو سنہری لباس پہناتا ہوا ظاہر ہوا،

وہ اس چٹان کے قریب بیٹھ گئے جہاں بنفشے کے پھول زمین کو ڈھانپے ہوئے تھے۔

دوشیزہ نے علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں، بادِ نسیم کے جھونکے نے اس کے بالوں کو بوسہ دیا، اس نے یوں محسوس کیا کہ کوئی سحر آفریں لمس یا کوئی شدید لطافت اس کے ہونٹوں پر پیوستہ ہو چکی ہے اس نے دل کش اور شفاف آواز میں کہا۔

میرے محبوب! اشتر دیوتا نے ہماری روحوں کو دوبارہ زندگی عطا کر دی ہے تاکہ ہم عشق کی شادمانیوں اور شباب کی نیرنگیوں سے محروم نہ رہ جائیں۔"

علی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ گویا اس دوشیزہ کی نغمہ ریز آواز نے اس کے خوابوں کی تصویروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔

اس نے یہ محسوس کیا کہ دو ان دیکھے پر اُسے اڑا کر اس عجیب و غریب فرودگاہ میں لے گئے ہیں جہاں اس دوشیزہ کی لاش محوِ خواب ہے، جس کے حسنِ لازوال پر موت قبضہ کر چکی تھی۔

وہ خوفزدہ ہو کر چلایا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہی حسنِ لازوال اس کے پہلو میں موجود ہے اور اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا ہے۔

زندگی کی شعاعوں سے اس کی آنکھیں تابناک تھیں۔ علی کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس کے دل و دماغ میں تر و تازگی کا ایک طوفان امڈ آیا،

اس کے تخیّلات کا خوفناک سایہ روشنی میں بدل گیا۔ اور وہ ماضی اور اس کے تفکرات کو بھول گیا۔

دونوں محبوب ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ انہوں نے طویل اور شیریں بوسوں کی شراب پینا شروع کی۔ یہاں تک کہ وہ مدہوش ہو گئے، وہ ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے محوِ خواب ہو گئے ساہدی قوّت نے آخری سائے بھی مٹا ڈالے ... جنہوں نے انہیں بیدار کر رکھا تھا۔

اسرارِ حیات

ایک پُرشکوہ عمارت خاموش رات کی پہنائیوں میں وہ اس طرح کھڑی تھی جس طرح زندگی موت کے سایہ میں —— !

اِس مقامِ عالی میں ہاتھی دانت کی مسند پر ایک دوشیزہ اپنے نرم و نازک ہاتھ سے اپنا خوبصورت سر سنبھالے بیٹھی تھی۔

یوں معلوم ہوتا تھا کہ مرجھایا ہوا کنول اپنی بڑی بڑی پتیوں پر جھک گیا ہے اُس نے اپنے ارد گرد اس بدنصیب قیدی کی طرح دیکھا جو زندان کی دیواروں میں اپنی نگاہیں چیر کر آزاد زندگی کی روشنی دیکھنا چاہتا ہو۔

رات کے لمحے ارواحِ شبینہ کی طرح گزر رہے تھے جو جلوس در جلوس غم و اندوہ میں مرثیے گاتے جا رہے تھے ——

—— اور اس دوشیزہ نے اس درد انگیز تنہائی میں آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگا کر ایک دلچسپ اطمینان حاصل کیا۔

جب اس دوشیزہ نے یہ محسوس کیا کہ وہ درد و کرب کے ہیجان کو اب زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی اور اس پر یہ انکشاف بھی ہو گیا کہ اس کا دل اسرارِ حیات کے خزانوں سے بھرپور ہو گیا ہے تو اُس نے قلم ہاتھ میں لیا۔ اور سیاہی میں

اپنے آنسوؤں کی آمیزش کی اور الفاظ کا یہ ٹکڑا لکھا ——!

"میری محبوب بہن!

جب دل کی گہرائیوں میں اسرار کی بھرمار ہو، آنکھیں آنسوؤں کی جلن سے تابناک ہو جائیں اور دل سینے کی ہڈیوں کی قید و بند سے آزاد ہو جانا چاہتا ہو تو پھر ان بھول بھلیوں میں سے باہر نکلنے کے لئے صرف جذبات کا سیلاب ہی کام آسکتا ہے۔

غم زدہ لوگ سوگوار رہ کر ہی نشاط و سرور حاصل کیا کرتے ہیں اور عشاق خوابوں کی دنیا میں رہ کر دل و جگر کے لئے اطمینان اور تسلی تلاش کرتے ہیں اور مظلوم کے کان میں ہمدردی کا اگر ایک لفظ پڑ جائے تو وہ شادماں ہو جاتا ہے

میں نے اس لئے قلم سنبھالا ہے کیونکہ اس شاعر کی طرح میرے سینے میں جذبات امڈ آئے ہیں جو قوتِ یزداں کے فیضانات سے لبریز ہو کر ماحول کے حسن کو اپنے شعروں میں سمو دیتا ہے ۔

میں اس فاقہ کش انسان کے بچے کی طرح ہوں جو بھوک سے بیتاب ہو کر بلبلا اٹھا ہو اور جسے قطعاً اس امر کا احساس نہ ہو کہ اس کی ماں تو کئی دنوں سے فاقہ کشی کر رہی ہے اور زندگی کے میدان میں مات کھا چکی ہے۔

بہن! میری الم انگیز کہانی سنو اور میرے ساتھ مل کر آنسو بہاؤ، اشکباری بھی تو ایک عبادت ہے اور وہ آنسو جس میں رحم کی آمیزش ہو ایک عالی مرتبہ خیرات

کے مانند ہے کیونکہ وہ ایک حساس زندہ اور ارفع روح کی گہرائیوں سے اُمڈ کر آتے ہیں اور یہ آنسو کبھی رائگاں نہیں جاتے،

میں نے ایک دولت مند شخص سے شادی کی، یہ میرے باپ کی رضا تھی،

میرا باپ ان باثروت لوگوں سے تھا جن کی ہمیشہ یہ آرزو ہوتی ہے کہ اپنی تجوریوں میں سونے اور چاندی کی اینٹوں کا اضافہ کیا جائے تاکہ کسی وقت افلاس سے دو چار نہ ہونا پڑے۔ یہ لوگ اپنے اعلیٰ رتبے میں ہمیشہ شان و شوکت کی آمیزش کرتے رہتے ہیں کہ کہیں سیاہ بختی اُن پر وار نہ کر بیٹھے ——

محبت اور خوابوں کی دنیا میں رہتے ہوئے بھی آج میں دولت و ثروت کے بڑے بُت کے سامنے بھینٹ چڑھا دی گئی ہوں جس سے میں انتہائی نفرت کرتی ہوں شوکت و عظمت قدمبوسی کر رہی ہے جس کو میں حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں۔

میں اپنے خاوند کا احترام کرتی ہوں کیونکہ وہ بخشندہ ہے اور ہر ایک کے ساتھ تلطف سے پیش آتا ہے۔ وہ مجھے شادماں رکھنے کے لئے بڑی کوشش کرتا ہے۔ وہ میری خوشی کے لئے سونے کے انبار لٹا دیتا ہے لیکن میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ایسی حرکتوں سے سچی اور مقدس محبت کا ایک لمحہ بھی معرضِ وجود میں نہیں آسکتا۔

میری بہن! مجھے نشانۂ تضحیک نہ بناؤ۔ میرے دل میں وہ کرن

بیدار ہو چکی ہے جو اس حقیقت کو روشن کرتی ہے کہ عورت کا دل کن کن سی باتوں کا محتاج ہے ـــــ عورت کا وہ ننھا سا دل جو ایک نازک سے پرندے کے مانند ہوتا ہے جو محبّت کے آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر رہا ہو۔

ـــــ وہ دل جو ایک ایسی صراحی کی طرح ہے جس میں ازمنۂ قدیم کی شراب لبریز ہو اور جس سے صرف روحیں جُرعۂ آشامی کر سکیں۔

ـــــ وہ دل ایک ایسے صحیفے کے مانند ہے جس کے اوراق میں مسّرت اور الم، شادمانی اور درد، قہقہہ اور گریہ زاری کے ابواب بھر پور ہوں۔

اس صحیفے کے الفاظ صرف وہی شخص پڑھ سکتا ہے جو دلنواز دوست ہو اور عورت کے دل کا ایک حصّہ اس کے دل میں ہو اور جو ازل ہی سے اس عورت کے لئے معرضِ وجود میں آیا ہو۔

روح کے مطالب اور دل کے معانی کی گہرائی تک پہنچ جانے کے بعد مَیں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ میں تمام عورتوں سے زیادہ زندگی کا ادراک مجھ میں پیدا ہو گیا ہے۔

یہ راز میں نے پالیا ہے، میرے عظیم الشان گھوڑے، خوبصورت گاڑیاں، زرو جواہرات سے بھرپور چمکتی ہوئی تجوریاں اور نجابت عالیہ اس غریب نوجوان کی ایک نگاہ کی قدر و قیمت کے برابر نہیں جو زمانے کے ہاتھوں درد و کلفت میں گھرا ہوا زندگی بسر کر رہا ہو۔

—— وہ نوجوان جس کو میرے باپ کی رضا نے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور وہ زندگی کے تنگ و تاریک زنداں میں اس وقت بدبختی کے ایام بسر کر رہا ہے۔

میری عزیز بہن! مجھے تمہاری طرف سے تسلی کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ آفت اور مصیبت کی جس منزل سے میں گزر رہی ہوں اس میں میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ صرف محبت ہی سب سے بڑی طمانیت بخش چیز ہے۔

آج میں آنسوؤں کی رات میں کھڑے ہو کر بہت دور دیکھ رہی ہوں اور اس امر کی منتظر ہوں کہ کب موت اس راستے کی طرف رہنمائی کرے جہاں میں اپنی روح کے ساتھی سے ملاقات کروں، اور اس سے اسی طرح بغلگیر ہوں جیسا کہ اس اجنبی دنیا میں داخل ہونے سے پہلے ہوتے تھے۔

میرے متعلق کوئی برا خیال اپنے دل میں جاگزیں نہ کرنا، میں ایک وفا شعار بیوی کی طرح اپنا فرض ادا کر رہی ہوں اور خاموشی اور تحمل سے مرد کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل پیرا ہوں۔

میں اپنے حواس کے ساتھ اپنے خاوند کی عزت کرتی ہوں، دل سے اس کا احترام کرتی ہوں اور اپنی روح سے اس کی تعظیم کرتی ہوں۔ لیکن ایک دیوار راستے میں حائل ہے —— خدائے قدوس نے میری زندگی میرے محبوب کے لئے وقف کر دی تھی ——!

یہ مشیتِ ایزدی تھی کہ میں ایسے شخص کی معیت میں زندگی بسر کروں جو میرے لئے نہیں اور میں اُسی مشیت کے مطابق خاموشی سے اپنے دنوں کو برباد کر رہی ہوں۔

اگر حیاتِ جاوید کے دروازے میرے لئے نہ کھلے تو اپنی روح کے نصف حُسنِ لازوال کے ساتھ زندگی بسر کروں گی اور صرف ماضی کی طرف میری نگاہیں جمی رہیں گی اور وہ ماضی حقیقت میں حال ہے،

——میں زندگی پر اس طرح نگاہیں دوڑاؤں گی جس طرح بہار خزاں کی طرف دیکھتی ہے۔

——میں زندگی کی رکاوٹوں کو اس شخص کی نگاہوں سے دیکھوں گی جو کٹھن پہاڑی خارزار راستے طے کر کے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ چکا ہے——!"

اس حد تک پہنچ کر دوشیزہ نے اپنا قلم پرے پھینک دیا اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر زار و قطار رونے لگی۔

اس کا دل اس امر کی اجازت نہیں دے سکتا کہ مقدس ترین راز ہائے محبت قلم کے حوالے کر دئیے جائیں۔ البتہ آنسوؤں کے ذریعے ہی یہ راز افشا کیا جا سکتا تھا۔ یہ آنسو غم کی گہرائیوں سے پیدا ہوئے اور برس کر فضا میں تحلیل ہو گئے وہ فضا جو عشاق اور پھولوں کی روحوں کی آماجگاہ ہے۔

ایک لمحہ کے بعد اُس نے قلم ہاتھ میں لیا۔

"کیا تمہیں وہ نوجوان یاد ہے؟ کیا تمہیں اس کی وہ کرنیں یاد ہیں جو اس کی آنکھوں سے نکلا کرتی تھیں؟ کیا تمہیں اس کے وہ غم انگیز آثار بھی یاد ہیں جو اس کے چہرے پر پھیل جایا کرتے تھے؟

تم نے وہ قہقہہ بھی فراموش نہیں کیا ہوگا جو اس ماں کے آنسوؤں کے مانند تھا۔ جس سے اس کا اکلوتا بچہ چھین لیا جائے؟

کیا تمہیں اس کی وہ شفاف آواز بھی یاد ہے جو ایک دور دراز وادی میں گونج کے مانند تھی؟

تمہیں یہ بات بھی یاد ہوگی جبکہ وہ کسی گہری سوچ میں پڑجاتا تھا اور کائنات کی طرف آرزو انگیز لیکن خاموش نگاہوں سے دیکھتا اور پھر اجنبی سے الفاظ اسکی زبان پر آجاتے، پھر وہ اپنے سر کو جھکا کر سرد آہ بھرتا اس خوف سے کہ اس کے دل کے اسرار و رموز عیاں نہ ہو جائیں۔

تمہیں اس کے خواب اور اس کے عقیدے بھی یاد ہوں گے! کیا تمہیں اس نوجوان کی یہ تمام باتیں یاد ہیں جس کو فطرت اپنے بیٹوں میں شمار کرتی تھی۔ اور میرا باپ اس کو اس لئے حقارت سے دیکھتا تھا کیونکہ وہ اِس ارضی خواہشات اور طمع میں اس سے بلند تھا اور وہ اپنے آپ کو اس سے نجابت اور شرافت میں ارفع خیال کرتا تھا۔

میری عزیز بہن! تم پر یہ راز تو منکشف ہو چکا ہو گا کہ میں اس محدود دنیا میں ایک شہید کے مانند ہوں اور جہالت کا شکار ——!

کیا تم اس بہن سے ہمدردی کا اظہار کر سکو گی جو خوفناک رات کی تاریکی میں اپنے دل کے تمام راز ہائے سربستہ سے تم کو آگاہ کر رہی ہے!

مجھے یقین ہے تم مجھ سے اظہار ہمدردی کرو گی۔ کیونکہ میں یہ جانتی ہوں کہ تمہارا دل بھی محبت کی آماجگاہ ہے!"

صبح کی پہلی کرن بیدار ہوئی تو دوشیزہ ابدی نیند سے بغلگیر ہو گئی محض اِس خیال سے کہ وہ اس نیند میں زیادہ سہانے اور رسیلے سپنے دیکھ کر تلافی مافات کر سکے گی ——!

طباعت گردپوش اے اے پرنٹرز گوالمنڈی لاہور